اکادمی ادبیات پاکستان
پاکستانی ادب کے معمار
بلھے شاہؒ : شخصیت اور فن
حمید اللہ شاہ ہاشمی

پاکستانی ادب کے معمار

بُلھے شاہؒ
شخصیت اور فن

پاکستانی ادب کے معمار

بُلھے شاہؒ
شخصیت اور فن

حمید اللہ شاہ ہاشمی

اکادمی ادبیات پاکستان

نگرانِ اعلیٰ	عبدالحمید
منتظم	ظہیرالدین ملک
تدوین وطباعت	سعید وحید درانی
اشاعت	2012
تعداد	500
ناشر	اکادمی ادبیات پاکستان، H-8/1، اسلام آباد
مطبع	کلاسیک پریس، لاہور
قیمت	مجلد: 260/- روپے
	غیر مجلد: 250/- روپے

ISBN: 978-969-472-268-9

Pakistani Adab Ke Memar
"Bulleh Shah: Shakhseyat our Fun"
Compiled By
Hameedullah Shah Hashmi
Publisher
Pakistan Academy of Letters
Islamabad,Pakistan

فہرست

پیش نامہ

پاکستانی زبانوں میں ہمارے مشاہیر نے پاکستانی ادب کے حوالے سے جو کام کیا ہے کسی بھی بین الاقوامی ادب کے مقابلے میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ اکادمی ادبیات پاکستان نے ان مشاہیر کے علمی و ادبی کام اور اُن کی حیات کے بارے میں معلومات کو کتابی صورت میں لانے کے لیے پاکستانی ادب کے معمار کے نام سے اشاعتی منصوبہ شروع کیا ہے۔ جس کے تحت پاکستانی زبانوں کے مشاہیر پر کتابیں شائع کی جا رہی ہیں۔

ان کتابوں سے نہ صرف ایم۔اے، ایم فِل اور پی۔ایچ۔ڈی کے مقالات میں استفادہ کیا گیا بلکہ اب کالج اور یونیورسٹیوں کے اساتذہ بھی ان کو درس و تدریس میں استعمال کرتے ہیں۔

ہمارے کلاسیکی ادب میں صوفی شعراء کا ایک بلند پایہ مقام ہے۔ ان کا کلام پاکستانی ادب کا قیمتی سرمایہ اور ہمارے لیے مشعلِ راہ ہے۔ بُلھے شاہؒ ان میں سے ایک بہت نمایاں مقام ہے۔ وہ عظیم صوفی شاعروں میں ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ اُن کی حاضر جوابی، صاف گوئی اور سادگی ضرب المثل ہے۔ آپ کا کلام انسان دوستی، ایمان کی تابندگی اور عرفانِ ذات سے بہرہ مند کرتا ہے۔ آپ کا کلام پورے ملک میں بہت مقبول ہے بلکہ جدید ذرائع ابلاغ کی برکت سے دنیا بھر میں پسند کیا جاتا ہے۔ ان کے اشعار میں فکر و فلسفہ بھی ہے اور مستی و سرشاری بھی۔ پنجاب کا یہ آفاقی صوفی شاعر سچ گوئی کی نسبت سے مشکل سے مشکل بات آسان ڈھب سے کرنے کا ماہر ہے۔ انسانی نفسیات کا اُستاد ہونے کے حوالے سے وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ انسان جھوٹی خوشامد پر کھِلتا اور کڑوے سچ سے بِدکتا ہے۔ سچ کو دلنشین سلیقے سے بیان کرنا بھی بُلھے شاہؒ کا خاص فن ہے

اور یہ کام انہیں کا حصہ ہے۔

بلھے شاہ منافقت کی دنیا میں سچ اور خلوص کا پیامبر ہے۔ زبان کو حق گوئی کی تاثیر دی۔ بلھے شاہ اس زمانہ اور نیش آواز کا نام ہے جس نے پنجابی شاعری کو ابن العربی سے صوفیانہ معارف سے روشناس کرایا۔ اپنے دور کے زوال پذیر معاشرے کے عیوب کا پردہ چاک کیا ہے۔

اس اشاعتی منصوبے کی پیش نظر کتاب ''بلھے شاہ: شخصیت اور فن'' اکادمی ادبیات پاکستان کی درخواست پر معروف نقاد، محقق اور ادیب جناب حمید اللہ شاہ ہاشمی نے تالیف کی ہے۔ اس کتاب سے یقیناً اہل ادب اور عام قاری، بلھے شاہ: شخصیت اور فن سے بہتر طور پر آگاہ ہو سکیں گے۔

یہ کتاب بلھے شاہ کے بارے میں ایک اہم دستاویز کی حیثیت کی حامل ہے۔ امید ہے کہ اکادمی ادبیات پاکستان کے اشاعتی منصوبے ''پاکستانی ادب کے معمار'' سلسلے کی کتاب ''بلھے شاہ: شخصیت اور فن'' کو ملک اور بیرون ملک یقیناً پسند کیا جائے گا۔

عبدالحمید

پیش لفظ

پنجابی زبان کی شاعری تصوف سے بھرپور ہے۔ یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ ہمارے صوفیاء کرام نے پیغام خداوندی کو عوام تک پہنچانے کے لئے عوامی زبان اور روزمرہ محاورے کو اپنے خیالات کے شاعرانہ اظہار کا ذریعہ بنایا تھا ان صوفی شعراء میں حضرت بُلھے شاہؒ کا مقام بہت بلند وارفع ہے۔ ان کو پنجابی زبان کا بہت بڑا صوفی شاعر اور فلسفی تسلیم کیا جاتا ہے۔ دنیا بھر کے صوفی شاعروں میں شاید ہی کوئی ایسا ہو جس کو بابا بلھے شاہؒ کے مقابل کھڑا کیا جا سکے۔ وہ عقل اور فطرت کے لحاظ سے شاہ شمس تبریزؒ اور جلال الدین رومیؒ کے ہم عصر دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی اپنی ایک منفرد حیثیت ہے۔ وہ عقل کی بجائے جذبے سے زیادہ کام لیتے ہیں۔

بلھے شاہؒ نے فرقہ بندی، مذہبی تعصب اور رنگ و نسل سے بالاتر ہو کر قدرت کی پیدا کردہ مخلوق سے محبت کی ہے۔ ان کی نظروں میں سب انسان یکساں اور قابل عزت ہیں۔ وہ خودنمائی اور دکھاوے کے قائل نہیں۔ وہ ہر انسان میں خدا کا عکس دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ صناع اپنی صناعی میں موجود ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے وہ آفاقی اور ہمہ گیر شاعر ہیں۔

حضرت بلھے شاہؒ ایک عوامی اور عام فہم شاعر ہیں۔ ان کی زبان کی سادگی یہ ہے کہ وہ ہر کس و ناکس کی سمجھ میں آ جاتی ہے۔ ان کے کلام میں سب سے بڑی نمایاں خصوصیت ان کے انداز بیان کی سچائی، سادگی، سلاست، روانی اور بے ساختگی ہے۔ اس خوبی کی بناء پر بلھے شاہؒ کو نہ صرف برصغیر بلکہ تمام دنیا کے شعری ادب میں ایک نمایاں مقام حاصل ہے۔

سچائی بلھے شاہؒ کے کلام کی ایک بڑی خصوصیت ہے۔ وہ دل میں آئی ہوئی بات لگی لپٹی کے بغیر

کہہ جاتے ہیں۔ ہر چند کہ انہیں سچ کے تلخ نتائج کا بھی اندازہ ہے۔ وہ سچ کا گلا گھونٹ کر اپنی ذات، اپنی شاعری اور اپنے عوام کے ساتھ بے انصافی نہیں کر سکتے۔ چنانچہ وہ اپنی مجبوری یوں ظاہر کر دیتے رہے کہ

منہ آئی بات نہ رہندی اے

وہ عوامی مزاج رکھتے تھے لہٰذا انہوں نے عوام ہی کے لب ولہجہ میں عوام کو مخاطب کیا ہے۔ وہ اپنے وقت کے نقیب ہیں دنیاداری کے بکھیڑوں سے بے نیاز یہ فنکار ہمیں اپنے اردگرد کے حالات سے باخبر نظر آتا ہے۔ اس نے انسانیت کی بقا اور اُنا کے لئے جہاد کیا۔ قلم سے ظلم کے خلاف احتجاج کیا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج صدیاں گزر جانے کے بعد بھی وہ ہمارے درمیان بطور راہنما موجود ہے۔

بلھے شاہؒ پنجابی زبان کے نڈر اور بے باک شاعر ہیں۔ ان کے کلام میں جمال اور جلال اکٹھے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کے کلام کو حقیقت یا مجاز جس رنگ میں دیکھا جائے وہ دونوں میں باکمال نظر آتے ہیں۔ تصوف یعنی خدا پرستی میں ان کی اونچی سوچ اور سچی باتیں دل ودماغ کو نئی سے نئی روشنی بخشتی ہیں۔ ان کی کافیوں کی دل نشینی اور سوز آفرینی کا احساس واعتراف ہر شخص کو ہے۔ آج بھی بلھے شاہؒ خواص وعوام کے بے حد محبوب شاعر ہیں۔ ملک کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں ان کے نام لیوا اور ان کے کلام کا ورد کرنے والے موجود نہ ہوں۔

زیر نظر کتاب بلھے شاہؒ کے خیالات اور تعلیمات کا مطالعہ ہے۔ مختصراً ان کی زندگی اور کلام سے تعارف کرانا مقصود ہے تاکہ پڑھنے والا صوفی شاعر کی نظر سے زندگی کی حقیقتوں کو سمجھ سکے اور زندگی کو سنوارنے والی باتوں سے رہنمائی حاصل کرے۔

حمید اللہ شاہ ہاشمی

حضرت سیّد بُلھے شاہؒ قادری شطّاری قصوریؒ

ابتدائی حالات

''تاریخ الاصفیاء'' کے مصنف مفتی غلام سرور لاہوری نے لکھا ہے کہ حضرت بلھے شاہؒ کا سلسلہ نسب چودھویں پشت میں حضرت غوث الاعظم شیخ سید عبدالقادر جیلانیؒ محبوب سبحانی سے جا کر ملتا ہے۔ لیکن تیرہویں پشت کے بارے میں مورخین میں قدرے اختلاف ہے۔'' تاریخ اُچ شریف'' میں مولانا حفیظ الرحمٰن بہاولپوری نے گیلانی سادات کا ذکر کرتے ہوئے بلھے شاہؒ کا سلسلہ نسب حضرت غوث الاعظم کے صاحب زادے سید عبدالوہابؒ سے منسلک کیا ہے جدید تحقیق کے مطابق ''کلیات بلھے شاہؒ''(3) کے مصنف ڈاکٹر فقیر محمد فقیر کا خیال ہے کہ وہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ 1166 کے دوسرے فرزند سید عبدالرزاق کی اولاد میں سے ہیں۔(4)

حضرت بلھے شاہؒ کے چودہ بزرگوں کے اسمائے گرامی اس طرح ہیں۔

حضرت سید عبداللہ شاہؒ (حضرت بلھا شاہ)، سید سخی شاہ درویش محمدؒ، سید نور محمد شاہؒ، سید ابا بکرؒ، سید وجیہہ الدینؒ، سید عبدالحکیمؒ، سید شاہ نعمت اللہؒ، سید شاہ ابو محمدؒ، سید صدر الدینؒ، سید نصیر الدینؒ، سید محمد رحمت اللہؒ، سید یحییٰؒ، سید احمدؒ، سید صالح نصرؒ، سید عبدالرزاقؒ، سید عبدالقادر غوث الاعظمؒ محبوب سبحانی۔

عرش منور بانگاں ملیاں سُنیاں تخت لہور
شاہ عنایت کنڈیاں پائیاں لُک چھپ کھچدا ڈور
پیر پیراں بغداد اساڈا، مرشد تخت لہور
ایہوری تسیں وی آکھو، آپ گڈی، آپ ڈور

بلھے شاہ کا سلسلہ طریقت چند واسطوں سے شاہ محمد غوث گوالیری سے جا ملتا ہے۔

سید بلھے شاہ قادریؒ، شاہ عنایت قادریؒ، شاہ محمد رضا قادریؒ، شیخ محمد فاضل لاہوریؒ، شیخ الہ داد قادریؒ اکبر آبادی، شیخ محمد جلالؒ، سید نور زین العابدین چشتیؒ، شیخ عبدالغفورؒ، شیخ وجیہہ الدین گجراتیؒ، شاہ محمد غوث گوالیاری۔

سید بلھے شاہؒ کا آبائی وطن علاقہ بہاولپور کا مشہور گاؤں اُچ گیلانیاں ہے۔

سید بلھے شاہؒ کے اجداد میں جو بزرگ سب سے پہلے 887ء میں حلب سے آکر اُچ میں آباد ہوئے وہ حضرت شیخ بندگی محمد غوث تھے۔ان سے ڈھائی سو سال قبل بخاری سادات کے بزرگوں میں سید جلال الدین سرخ بخاریؒ ملتان آکر حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے اور ان سے خرقۂ خلافت حاصل کر کے ان کے ارشاد کی بنا پر اُچ میں آباد ہوئے۔

اس سلسلے میں بلھے شاہؒ کا یہ شعر پیش کیا جاتا ہے۔

اسیں اوچی ساڈی ذات اوچیری اسیں وچ اُچ دے وسنے ہاں
عقل ہئی تے رمز پچھانی اسیں مُڑ مُڑ تینوں دسنے ہاں

(ہم اُچ کے رہنے والے ہیں ہماری ذات اونچی (سید) ہے۔ہم اُچ میں بستے ہیں۔اگر تم میں عقل شعور ہے تو ہماری رمز کو پہچانو یعنی ہم یہ جو اشارہ دے رہے ہیں کہ ہمارا حسب نسب کیا ہے اسے سمجھنے کی کوشش کرو۔ہم یہ بات بار بار دہراتے ہیں)

بعد میں یہ شعر یوں تبدیل ہوا۔

اسیں قصوری ساڈی ذات قصوری اسیں وچ قصور دے وَسنے ہاں
عقل ہئی تے رمز پچھانی اسیں مُڑ مُڑ تینوں دسنے ہاں

بلھے شاہ کے مختلف نام

آپ کا اصل نام سید محمد عبداللہ شاہ عرف و تخلص بلھے شاہ تھا۔کہا جاتا ہے کہ والدین اسے پیار سے بلھا کہا کرتے تھے اور شاعری کی شہرت کی وجہ سے ''بلھے شاہ'' ہو گیا۔آپ نے اس نام کو اپنی

کافیوں میں کئی جگہ استعمال کیا ہے۔ پیار سے آپ کو کوئی بابا بلھے شاہ، کوئی سائیں بلھے شاہ اور کوئی صرف بلھا (یابلا) کہتا ہے۔ آپ کی ''چالیسویں گنڈھ'' کے آخر میں آپ کے اصلی نام کے بارے میں صاف اشارہ مل جاتا ہے۔

ہُن انا للہ آکھ کے تم کرو دعائیں

پیا ہی سب ہو گیا عبداللہ ناہیں

(اب تم اناللہ کہہ کر دعا کرو۔ اب میں محبوب (خدا) کی ذات میں سما گیا ہوں عبداللہ الگ سے کچھ حقیقت نہیں رکھتا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اپنے اصلی نام کو بالکل فراموش نہیں کیا اور اپنے صوفیانہ کلام میں اسے کہیں کہیں استعمال کیا ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں۔

ہن کِس تھیں آپ چھپائی دا

باہر ظاہر ڈیرا پائیو ؟

آپے ڈھوں ڈھوں ڈھول وجایو

جگ تے اپنا آپ جتایو

پھر عبداللہ دے گھر دھائی دا

(کلیات بلھے شاہ کافی 154)

(اب آپ (ذات باری تعالیٰ) کس سے پردہ کرتے ہیں جب کہ ظاہر و باطن ہر جگہ آپ کی جلوہ نمائی ہے۔ آپ کی صفات ڈھول کی منادی کی طرح اپنا اعلان کر رہی ہے اور جب کائنات میں ہر جگہ عیاں ہیں تو پھر عبداللہ کی ذات پر الگ سے ہلّہ بولنے کی کیا ضرورت ہے۔

بلھے شاہ کا دوسرا نام میر بہلی شاہ قادری شطاری قصوری کے طور پر بھی ملتا ہے۔ اس کا ذکر ڈاکٹر فقیر محمد فقیر نے کلیات بلھے شاہ کے تعارف میں مئی 1939ء کے (پنجاب یونیورسٹی لاہور) کے اورینٹل کالج میگزین کے مشمولہ صفحات میں حوالہ دیا ہے۔ ''خزینۃ الاصفیاء'' کے مصنف نے صفحہ 199 پر بلھے شاہ کا نام میر بکھے شاہ قادری شطاری قصوری لکھا ہے۔

جناب فضل فرید لالیکا نے اپنے ایک مضمون ''بلھے شاہ دا اصل ناں'' چھماہی ''کھوج'' جولائی دسمبر 1995ء شمارہ 35 میں شائع ہو چکا ہے نام سے اختلاف کیا ہے، انہوں نے اپنے مضمون میں بحوالہ ''انوار الاسرار' جس کے مصنف 1280ء ہجری میں انتقال کر گئے، کا حوالہ دیا ہے جب کہ خزینۃ الاصفیاء بھی 1280ء ہجری میں تصنیف ہوئی جس میں بُلھے شاہ ہی لکھا ہوا ہے لیکن لالیکا کے بقول یہ نام سید بو علی شاہ کا بگاڑ ہے جو قابل توجہ ہے۔ حالانکہ بلھے شاہ نے اپنا نام اپنے کلام میں عبداللہ شاہ ہی بتایا ہے۔

آپ کے والد ماجد کا نام سید سخی شاہ درویش محمد (5) تھا جو اُچ گیلانیاں میں تشریف لائے۔ ان کے والد نا مساعد حالات سے مجبور ہو کر یا تعلیم و تبلیغ اور درس و تدریس کے سلسلہ میں اپنے وطن مالوف کو چھوڑ کر ضلع ساہیوال کے ایک گاؤں ملک وال میں آ کر آباد ہو گئے۔ آج کل یہ گاؤں نزد کاہنہ نو ضلع لاہور میں واقع بیان کیا جاتا ہے۔

تاریخ پیدائش

تذکرہ طریق الاصفیاء (6) نافع السالکین (7) اور سلیم التوار یخ کے مطالعہ سے علم ہوتا ہے کہ حضرت بلھے شاہ کی پیدائش اُچ گیلانیاں میں ہوئی۔ جب ملک وال تشریف لائے تو اس وقت آپ کی عمر چھ سال کے لگ بھگ تھی، آپ کی جائے پیدائش بعض کتب میں گاؤں ''پانڈو کی'' مشہور ہے جو صحیح تصدیق نہیں ہوتی۔

آپ کی تاریخ ولادت میں تذکرہ نگاروں میں بڑا اختلاف پایا جاتا ہے۔ سات ستارے، کا مصنف رام سنگھ درویش اپنی تصنیف کے (ص 65) پر لکھتا ہے۔ ''لاہور سے جانب جنوب تیس میل کے فاصلے پر ایک بستی'' پانڈو کی'' نہر باری دوآب کے کنارے ہے یہاں بخاری سادات کے اعلیٰ خاندان میں 1148ء کے لگ بھگ بلھے شاہ نے جنم لیا۔'' یہ سن اور جائے پیدائش صحیح نہیں۔ اس لئے کہ ان کے مرشد حضرت شاہ عنائت قادریؒ نے معروف قول کے مطابق 1147ء (یا مابعد) وفات پائی۔ مذکورہ قول کے پیش نظر حضرت بلھے شاہ کا سن ولادت 1148ء

نا قابل قبول ہے۔ کیونکہ آپ اپنے مرشد کے وصال کے بعد کئی برس تک بقید حیات رہے۔ شجرہ طریقت کی رُو سے آپ کے اجداد سادات گیلانیاں سے وابستہ تھے نہ کہ سادات بخاری۔

''بلھا شاہ'' (انگریزی زبان میں) کا مصنف مسٹر چارلس فریڈرک اسبورن (8) نے آپ کی تاریخ پیدائش 1680ء اور جائے پیدائش ''پانڈو کی'' Pandoke تحریر کی ہے لیکن کوئی حوالہ یا ثبوت نہیں دیا۔

محمد شریف گلزار نے کتاب ''حضرت بلھے شاہ'' میں لکھا ہے کہ ''ان کی ولادت موضع اُچ گیلانیاں میں 1081ھ / 1670ء (9) میں ہوئی تھی لیکن حوالہ کوئی نہیں دیا۔ مولا بخش کشتہ نے اپنی تالیف ''پنجابی شاعراں دا تذکرہ'' (10) میں آپ کا سن ولادت 1680ء / 1103ھ اور جائے پیدائش ''پانڈو کی'' بیان کیا ہے۔ یہی بیان جیت سنگھ سیتل نے اپنی کتاب ''بلھے شاہ، جیون تے رچنا'' (11) میں لکھ دیا ہے۔ حالانکہ سن عیسوی 1680ء سن ہجری 1091ھ (12) بنتا ہے۔ نہ کہ 1103ھ۔ اور 1103ھ کی مطابقت تو 1692ء بنتی ہے۔

عبدالغفور قریشی نے پنجابی زبان و ادب تے تاریخ (13) اور پنجابی ادب دی کہانی '' (14) میں آپ کا سال پیدائش 1680ء تحریر کیا ہے۔ اسی طرح ڈاکٹر عبدالاسلام خورشید نے ''پنجاب کے رومان'' (15) میں آپ کی پیدائش 1680ء بیان کی ہے۔ مولا بخش کشتہ، عبدالغفور قریشی اور ڈاکٹر عبدالسلام خورشید نے 1680ء سال پیدائش نقل کرنے پر ہی اکتفا کیا ہے۔ کسی ماخذ کا ذکر نہیں کیا۔

مطیع الرحمٰن قریشی نے ''تذکرہ حضرت سید بلھے شاہ'' (16) میں تحریر کیا ہے کہ ''ہم نے ایک قدیمی قلمی بیاض میں آپ کی عمر ایک سو دس سال لکھی دیکھی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی پیدائش 1675ء مطابق 1086ھ میں ہوئی۔ ہمارے خیال میں چونکہ آپ کی پیدائش اُچ میں ہوئی ہے اور پانچ چھ سال کی عمر کے لگ بھگ والد صاحب کے ہمراہ ''پانڈو کی'' میں آئے تھے۔ اس لئے جن حضرات نے آپ کا سن پیدائش 1680ء لکھا ہے، شاید انہوں نے وہ پانچ

سال کا عرصہ شمار نہیں کیا جو آپ نے اُچ میں گزارا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب''۔

جب تک کوئی ٹھوس ثبوت دستیاب نہیں ہوتا، اس وقت تک حضرت بلھے شاہ کی تاریخ ولادت کے بارے میں وثوق سے کچھ کہنا مشکل ہے اور جب تک کوئی معاصر تحریر اس باب میں فیصلہ نہیں کرتی یہی 1680ء سال ولادت تصور ہوتا رہے گا (17)۔ مگر ہم اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ یہ عظیم صوفی اور پنجابی زبان کا مشہور شاعر اورنگ زیب عالم گیر کے دور حکومت (1060ھ / 1659ء تا 1118ھ / 1707ء) میں اُچ شریف (بہاولپور) میں پیدا ہوئے۔

پانڈوکی میں تشریف آوری

بیان کیا جاتا ہے کہ پانڈوا اور سدھار قوم رنگڑ بھٹی دو بھائی تھے۔ دونوں نے اپنے اپنے نام پر الگ الگ گاؤں آباد کئے۔ ایک گاؤں کا نام ''پانڈوکی'' مشہور ہوا اور دوسرے کا نام ''سدھار'' پڑ گیا۔ ایک دن پانڈو بھٹی ملک وال کے قریب گاؤں تلونڈی میں اپنے رشتہ داروں سے ملنے آیا۔ رشتہ داروں نے پانڈو بھٹی سے اس کے گاؤں کی زمین، فصلیں اور آبادی کے بارے دریافت کیا۔ اس نے جواب دیا کہ وہاں کی زمین زرخیز ہے۔ لوگ اچھے ہیں گاؤں میں بڑی رونق ہے۔ ایک کشادہ مسجد تعمیر کرلی ہے لیکن ہمیں کوئی عالم نہیں ملتا جو امامت کے ساتھ ساتھ درس وتدریس کا سلسلہ بھی جاری کر کے مسجد کو آباد کر سکے۔ رشتہ داروں نے مشورہ دیا کہ قریب کے گاؤں ملک وال میں ایک سید صاحب اُچ گیلانیاں سے تشریف لائے ہوئے ہیں۔ بڑے عالم اور فاضل ہیں۔ اگر وہ راضی ہو جائیں تو آپ کی مسجد میں دینی رونق بڑھ جائے گی اور مسجد آباد ہو جائے گی۔

چند لوگ آپ کے والد محترم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پانڈوکی میں منتقل ہونے کی درخواست کی جس پر آپ کے والد محترم اپنے بال بچوں سمیت ملک وال سے ''پانڈوکی'' میں چلے آئے۔ مسجد کے امام مقرر ہوئے اور درس وتدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ چونکہ آپ کے والد مروجہ علوم عربی اور فارسی کے عالم تھے۔ امام مسجد بھی تھے۔ اس لئے غالب خیال یہ ہی ہے کہ حضرت بلھے شاہؒ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے پائی۔

آپ کی ذات ابتداء ہی سے مست الست تھی۔ طبیعت میں استغناء تھا۔ رازدارانہ گفتگو، گوشہ تنہائی، تجرد پسندی، محبت الی اللہ، عشق و مستی میں سرشار رہنا، آپ کے اوصاف تھے۔

لسانی تاثیر

ایک مرتبہ گاؤں کے ہم جولیوں کے ساتھ دیر تک کھیل میں معروف رہنے کی وجہ سے آپ گھر واپس نہ پہنچے۔ بہت انتظار کے بعد آپ کے والد ماجد آپ کی تلاش میں نکلے۔ گاؤں کے کھلے میدان میں بچے کھیل رہے تھے۔ اس وقت چینا (18) کا کھیل کھیلا جا رہا تھا۔ یہ کھیل کچھ اس طرح ہوتا ہے کہ سب بچے مل کر باہم ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر لڈی ڈالتے ہیں اور سب یک زبان یہ کہتے ہیں "چینا انج چھڑیندا الال"

حضرت شاہ سخی محمد درویش صاحب ہاتھ میں ایک بڑی تسبیح لئے درود وظائف پڑھتے جب ان کے قریب پہنچے تو بلھے شاہ نے انہیں دیکھتے ہی یہ شعر الاپنا شروع کر دیا۔

لوکاں دیاں جپ مالیاں تے بابے دا جپ مال
ساری عمراں مالا پھیری اک نہ گھتا وال "چینا انج چھڑیندا الال"

ترجمہ: لوگوں کی (وظائف کے لئے) چھوٹی چھوٹی تسبیحاں ہیں اور میرے بابا جی کا بہت بڑا تسبیحا، تمام عمر تسبیح گرداننے رہے مگر نیکی کا ایک بال بھر بھی نہ حاصل کر سکے یعنی اللہ کی خوشنودی سے محروم رہے)۔ یہ شعر دکھلاوے اور ریاکاری کے خلاف ایک پُر تاثیر سبق اور واضح درس تھا۔ اس کا فوری اثر آپ کے والد گرامی پر ہوا۔ جس سے ان کی ظاہری اعمال بھی حقیقت کا روپ دھارنے لگے۔

ڈاکٹر محمد ریاض شاہد (19) بتاتے ہیں کہ یہ شعر جلھن شاعر قوم سندھو جٹ، گاؤں بھڈانہ ضلع امرتسر کا ہے جو 1644ء میں فوت ہوئے۔ اصل شعر اس طرح ہے۔

لوکاں دیاں جپ مالیاں جلھن دا جپ مال
ساری عمر جپندیاں اک نہ گھتا وال

بچپن کی کرامت

حضرت بلھے شاہؒ بچپن میں حصول تعلیم کے ساتھ ساتھ چند گھریلو مویشی بھی باہر جا کر چرایا کرتے تھے۔ایک دن حسب عادت مویشیوں کو کھیتوں میں چرانے کے لئے گئے۔ریوڑ چرنے لگ گیا اور آپ ایک درخت کے نیچے لیٹ گئے۔لیٹتے ہی نیند آ گئی اور سو گئے۔جانور چرتے چرتے جیون خان نامی ایک زمیندار کے کھیت میں جا گھسے اور فصل کو خاصا نقصان پہنچایا۔اتفاقاً جیون خان بھی ادھر آ نکلا۔اپنے کھیت کی تباہی دیکھ کر بہت رنجیدہ ہوا۔غصہ کی حالت میں ادھر ادھر ریوڑ کے چرواہے کو تلاش کرنا شروع کر دیا۔اس نے دیکھا کہ آپ درخت کے نیچے سو رہے ہیں اور آپ کے سرہانے ایک اژدھا پھن پھیلائے کھڑا ہے۔وہ یہ منظر دیکھ کر سخت گھبرایا،خیال کیا کہ سانپ نے سیدزادے کو ڈس کر موت کی نیند سلا دیا ہے۔اس کا غصہ فوراً دور ہو گیا۔الٹے پاؤں گاؤں کی طرف شور مچاتا ہوا دوڑا کہ مولوی صاحب کے صاحبزادے بلھے شاہؒ کو سانپ نے مار ڈالا ہے اور سانپ ابھی وہیں ہے۔تمام گاؤں میں کہرام مچ گیا۔ایک کثیر ہجوم لاٹھیوں وغیرہ سے مسلح ہو کر بھاگا۔جب وہ شجر مذکور کے قدرے قریب جا پہنچے۔آنے والے لوگوں کی آوازیں اور پاؤں کی آہٹ سن کر اژدھا نے اپنا سر زمین پر رکھا اور چلتا بنا۔سب لوگوں کے دیکھتے دیکھتے وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔تلاش بسیار کے باوجود بھی نہ مل سکا۔لوگوں کے شور وغوغا سے بلھے شاہؒ بیدار ہوئے۔لوگوں کا ہجوم دیکھ کر گھبرا سے گئے۔والد گرامی نے اپنے سینے سے لگاتے ہوئے پیشانی پر بوسہ دیا،پیار کیا اور دلاسا دیا۔اب لوگوں کو معلوم ہوا کہ اژدھا تو ان کی حفاظت اور پاسبانی کے لئے حاضر ہوا تھا۔اب آپ کے والد صاحب نے فرمایا کہ بیٹا تم سو رہے تھے اور مویشیوں نے جیون خان کا ہرا بھرا کھیت اجاڑ کر رکھ دیا ہے۔حضرت بلھے شاہؒ پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی فوراً متوجہ الی اللہ ہوئے اور کھیت کی طرف دیکھ کر جلالیت میں فرمایا کہ ابا جی مجھے تو کھیت پہلے سے بھی سوایا معلوم ہو رہا ہے۔چلو دیکھیں۔تمام لوگ بمعہ جیون خان ہر دو حضرات کے ساتھ جب کھیت کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ کھیت بہت سرسبز وشاداب ہے۔سب نے حیرانگی

کے ساتھ ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر کہنا شروع کر دیا کہ واقعی کھیت پہلے سے سوایا ہی ہے۔
چنانچہ چرچا عام ہو گیا کہ آپ بڑے ولی اللہ ہیں اور سانپ آپ کا خدمت گار تھا۔ دور دور تک
آپ کی عقیدت بہت بڑھ گئی۔ کھیت کا مالک جیون خان تو اس قدر متاثر ہوا کہ اس کھیت کا رقبہ ہی
(تقریباً بارہ بیگھا) آپ کو ہبہ کر دیا۔ جو کہ آج تک آپ کے سجادہ نشین کے قبضہ میں چلا آ رہا ہے
۔ دوسری اراضی کی بہ نسبت اس رقبہ کی آج بھی پیداوار زیادہ ہوتی ہے اور سرکاری طور پر اس کا
آبیانہ و مالیہ بھی معاف ہے۔

قصور میں تکمیل علوم

سید بلھے شاہؒ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے پائی۔ مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے آپ قصور
تشریف لے گئے۔ قصور میں ان دنوں اگرچہ سیاسی اعتبار سے پٹھانوں کی راجدھانی تھی اور رسمی
علوم کا ایک مرکز تھا۔ اولیائے کرام اور علماء عظام کی دینی کاوشوں اور محنتوں کی وجہ سے شہر قصور
اسلامی علوم و فنون کا مرکز قرار پا چکا تھا۔ اس وقت شہر قصور میں بلند پایۂ عالم اور صاحب فضل و
کمال حضرت حافظ غلام مرتضیٰؒ اپنے تبحر علمی اور تقویٰ و ورع میں نادرِ روزگار سمجھے جاتے تھے۔
آپ شہر قصور کی سب سے بڑی جامع مسجد کوٹ اندرون قصور میں بحیثیت خطیب و امام فرض
سرانجام دے رہے تھے۔ آپ مروّجہ علوم حاصل کرنے کے لئے ان کے درس میں شامل ہو گئے۔
جہاں سے بڑے بڑے علماء فیض یاب ہو کر سندیں اور دستار فضیلت حاصل کر کے اپنے اپنے
علاقوں میں جا کر مخلوق خدا کو صراطِ مستقیم کا سبق پڑھاتے تھے۔

حضرت حافظ غلام مرتضیٰ صاحب قصوری کے والد حاجی حافظ عبدالمالک صدیقی عہد شاہ جہانی
میں وارد سندھ ہوئے۔ ان کے ایک صاحبزادے مخدوم حافظ غلام مرتضیٰ صاحبؒ نے ''مخدوم
پنجاب'' کے لقب سے اپنے زمانہ میں خاصی شہرت حاصل کی۔

''اردو دائرۂ معارف اسلامیہ'' (پنجاب یونیورسٹی) لاہور جلد 4 ص 650 میں لکھا ہے کہ
حضرت بلھے شاہ نے خواجہ غلام محی الدین قصوریؒ سے جنہیں علوم متداولہ پر پورا عبور حاصل تھا،

کے سامنے زانوئے تلمذ بھی طے کئے۔ خواجہ غلام محی الدین قصوری 1202ھ / 1787ء کو قصور میں پیدا ہوئے اور 1270ھ / 1854ء میں وفات پائی (20) اور قصور میں دفن ہیں۔ جب کہ حضرت بلھے شاہ نے بقول صاحب خزینۃ الاصفیاء 1171ھ میں وفات پائی بلکہ بعض قرائن اور دلائل سے آپ کی وفات 1181ھ (یا مابعد) بھی ثابت ہوتی ہے۔ مذکور سنین کے لحاظ سے خواجہ غلام محی الدینؒ آپ کے استاد تسلیم نہیں کئے جا سکتے۔ یہ محض قیاس ہے۔ یاد رہے کہ حضرت غلام محی الدین قصوریؒ حضرت حافظ غلام مرتضیٰ کے پوتے تھے۔ مگر پنجاب یونیورسٹی لاہور کی شائع کردہ تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند۔ تیرہویں جلد حصہ اول (مدیر خصوصی: گروپ کیپٹن سید فیاض محمود) کے مطابق "بلھے شاہ نے مسجد کوٹ قصور میں مولانا غلام مرتضیٰ قصوری اور مولانا غلام محی الدین قصوری دونوں سے تعلیم حاصل کی"۔ صفحہ 300

اردو دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور جلد 4 ص 650 میں تحریر ہے کہ حضرت بلھے شاہ نے خواجہ غلام محی الدین قصوری سے تعلیم حاصل کی۔

غلام محی الدین قصوریؒ 1202ھ / 1787ء کو قصور میں پیدا ہوئے اور 1270ھ / 1854ء میں وفات پائی۔ (غلام سرور مفتی لاہوری۔ حدیقۃ الاولیاء ص 142)

مذکورہ سنین کے لحاظ سے غلام محی الدین قصوریؒ آپ کے استاد تسلیم نہیں کیے جا سکتے۔

استاذ العلماء حضرت علامہ حافظ غلام مرتضیٰ کے القابات کتب تواریخ سے مندرجہ ذیل ملتے ہیں۔ مخدوم قصور، فاضل اجل، عالم باعملِ حق، استادِ کل، شریعت کے امام، طریقت کے پیشوا، صاحب ارشاد بزرگ۔ خواجہ حافظ غلام مرتضیٰ اپنے والد (خواجہ عبدالمالک) کی طرح ظاہری اور باطنی علوم سے پوری طرح متصف تھے۔ آپ کے والد مرحوم نے درس و تدریس کا جو سلسلہ شروع کیا تھا اسے آپ نے درجہ کمال تک پہنچا دیا۔ آپ زبردست عالم دین، حافظ قرآن، جید فقیہہ اور عظیم محدث تھے۔ آپ کو منطق، فلسفہ، اسماء الرجال، صرف و نحو، شعر و ادب غرض کہ تمام علوم متداولہ پر کمال عبور حاصل تھا۔ آپ کے درس کی اس قدر شہرت تھی کہ برصغیر کے کونے کونے

سے تشنگان علم کی ایک بڑی تعداد قصور میں آتی، فیض یاب ہوتی اور حُبّ اسلام کے جذبے سے اپنے سینے کو روشن کر کے واپس جاتی تھی۔

پنجابی زبان کا شیکسپیئر اور قصہ ہیر رانجھا کا خالق سید وارث شاہ اور مشہور صوفی شاعر حضرت سید بُلھے شاہ ایسی نامور ہستیاں تھیں جنھوں نے حافظ غلام مرتضٰی کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیئے۔ آپ نے اپنی نگرانی میں دونوں کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا۔ یہ دونوں شاگرد آج بھی آسمانِ شہرت پر درخشندہ و تابندہ ستاروں کی مانند چمک رہے ہیں۔ حافظ غلام مرتضٰی شریعت کے معمولات پر بڑی سختی سے عمل کرتے تھے۔ خلافِ شریعت کوئی فعل بھی برداشت نہ کر سکتے تھے۔ سرزمین قصور میں اس وقت احکام شریعت کی جو بے حرمتی ہو رہی تھی اسے برداشت نہ کرتے ہوئے تارکِ وطن ہوئے اور ہجرت کر کے پشاور چلے گئے۔ وہاں ہی قیام کیا وہاں ہی وفات پائی۔ عرصہ سات آٹھ سال کے بعد آپ کے جسد مبارک کو قصور میں لا کر دفن کیا گیا۔

یہ بڑی مشہور روایت ہے کہ بلھے شاہ اور وارث شاہ دونوں ہم جماعت تھے لیکن کسی بھی محقق یا سوانح نگار نے اس پر کوئی دلیل ناطق پیش نہیں کی اور اس ضمن میں کوئی تاریخی مصدقہ بیان نہیں ملتا اور نہ ہی ان دونوں عظیم شاعروں نے اپنے کلام میں کہیں ایک دوسرے کے متعلق کسی آراء کا ہی اظہار کیا ہے کہ جس سے ہم ان کے ہم جماعت ہونے کا اندازہ لگا سکیں۔ یہ ضرور ہے کہ یہ دونوں عظیم شاعر استاد بھائی تھے۔

ان کے استاد گرامی حضرت حافظ غلام مرتضٰی علیہ الرحمۃ نے ان ہر دو تلامذہ کا ذکر بڑے اچھوتے انداز میں فرمایا ہے۔ آپ کا یہ مقولہ پنجابی میں ہے۔ ''مینوں دو شاگرد بڑے عجیب ملے ہن۔ اک بلھے شاہ جس نے علم پڑھ کے سرنگی پھڑلئی، تے دوجا وارث شاہ جہڑا عالم ہو کے ہیر رانجھے دے گیت گاون لگ پیا۔''

(**ترجمہ**: مجھے دو عجیب شاگرد ملے ہیں۔ ایک بلھے شاہ جسے علم پڑھایا تو اس نے سارنگی پکڑ لی اور دوسرا وارث شاہ جو عالم ہو کر ہیر رانجھے کے گیت گانے لگ گیا۔)

پانڈوکی سے واپسی

بلھے شاہ نے حافظ غلام مرتضٰی کی سرپرستی میں علوم فقہ، حدیث، تفسیر، منطق، معانی پر خاصی دسترس حاصل کر لی ۔ اور دستار فضیلت سے مشرف ہو کر جب پانڈوکی واپس آئے تو والدین کو اپنے لختِ جگر کی شادی کی فکر ہوئی ۔ آپ کی دو ہمشیرگان تھیں ۔ ایک آپ سے بڑی تھی اور ایک چھوٹی تھیں ۔ پانڈوکی میں آپ کے والدین کے مزارات کے ساتھ دو صاحبزادیوں کے ہی مزار ہیں اور یہی مشہور روایت ہے ۔

آپ کی والدہ محترمہ کی تیمارداری اور ساتھ ہی گاؤں کی مستورات اور بچیوں کو قرآن مجید اور ضروری شرعی مسائل سے آگاہ کرنا، یہ سب کام آپ کی ہمشیرگان ہی احسن طریقے سے ہی انجام دیا کرتی تھیں ۔ والدہ محترمہ کی طبیعت متواتر کمزور ہو رہی تھی ۔ اس لئے ایک دن بلھے شاہ کی شادی کا تذکرہ گھر میں شروع ہو گیا ۔

یہ تو گذشتہ صفحات میں بھی بتایا گیا ہے کہ آپ کا بچپن سے ہی اللہ کی جانب رُجوع تھا ۔ آپ کی ہمشیرگان کے متعلق بھی یہی معلومات دستیاب ہوئی ہیں کہ وہ بھی اپنی جدی خاندانی سیادت کی پیکر تھیں اور علاقہ بھر میں خاتونانِ اہلِ بیت پاک دامان مشہور تھیں ۔ ایک دن جب تذکرہ شادی ہو رہا تھا تو بلھے شاہؒ نے فرمایا کہ میرے لئے شادی میرے مستقبل کے لئے سدِّ راہ معلوم ہوتی ہے اس لئے معذرت چاہتا ہوں ۔ آپ کی ہمشیرگان پہلے ہی اپنی سیادت اور حیاء کو مدِ نظر رکھی ہوئی تھیں انہوں نے بھی اپنی دلی خواہش اور اپنے شفیق بھائی کے ساتھ معذوری کا اظہار کر دیا ۔ اس واقعہ کو سائیں دربار علی جو صالح دیندار با شریعت شخص ہیں نے بیان کیا (21) کہ بابا بلھے شاہؒ کی والدہ محترمہ کی طبیعت زیادہ ناساز ہو گئی اور وہ اسی ایک ہفتہ کے اندر اس فانی دنیا سے انتقال کر گئیں ۔ اس صدمہ سے متاثر ہو کر یا تقدیر کے مطابق آپ کی دونوں ہمشیرگان (22) بھی خدا تعالٰی کو پیاری ہو گئیں اور تینوں جنازے ایک ہی وقت پر اٹھائے گئے ۔ تینوں مزارات کا ایک علیحدہ کمرہ ہے جو مزارات پاکدامناں سے مشہور ہے صرف مستورات ہی اندر جاتی ہیں ۔ اس

کے باہر ساتھ ہی آپ کے والد صاحب کا روضہ مبارک ہے۔ ہر سال بھادوں کے آخر میں عرس ہوتا ہے اور دور دور سے لوگ برکات حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوتے ہیں۔

بلھے شاہؒ پانڈوکی کو پسند نہیں کرتا تھا کہا جاتا ہے کہ ایک اجنبی سکھ گھوڑے پر سوار پانڈوکی میں سے گزر رہا تھا کہ اہل دیہہ نے اعتراض کیا کہ وہ گھوڑے سے نیچے اتر کر گاؤں میں سے گزرے۔ اس بات پر تکرار شروع ہوگئی۔ بلھے شاہ نے مصالحت کرانے کی کوشش کی اہل دیہہ نے بلھے شاہؒ پر پتھراؤ شروع کر دیا۔ اس سکھ اور بلھے شاہ نے ایک قریبی گاؤں دفتو کے گردوارہ میں جا کر جان بچائی۔ بعد میں سکھوں نے پانڈوکی پر حملہ کر کے اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ اہل دیہہ نے بلھے شاہؒ کی منت سماجت کی کہ وہ اپنے گاؤں واپس آجائے لیکن اس نے انکار کر دیا۔ اہل دیہہ کے بزدلانہ رویے پر بلھے شاہ نے جلال میں آکر کہا۔

بلھا جے توں غازی بنائیں لک بنھ تلوار
پہلوں رہنگو مار کے پچھوں کافر مار
اُجڑ گئے پانڈوکے نگھر گیا سدھار
وسدا رہے شیخوپورہ لگی رہے بہار

ترجمہ : بلھے شاہ اگر تو بہادر بننا چاہتا ہے تو کمر سے تلوار باندھ لے۔ سب سے پہلے پانڈوکے کے رنگڑ جاٹوں کو قتل کر۔ اس کے بعد کافروں کو مار۔ پانڈوکے اُجڑ گیا ہے سدھار گاؤں بھی برباد ہوگیا ہے شیخوپورہ کا گاؤں آباد رہے گا اور وہاں رونق رہے گی۔

اللہ کے پیارے کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ پورے ہوئے۔ شیخو نے چونکہ آپ کی مدد کی تھی اس لئے اس کے لئے دعا کی۔

نوٹ: یہ شیخوپورہ ضلع شیخوپورہ نہیں ہے بلکہ پانڈوکی کا گاؤں ہے جو اب بھی آباد ہے اور اسی گاؤں کو پھر سے شیخو کی اولاد نے آباد کیا تھا۔

مرشد کامل کی جستجو

سید بلھے شاہ تمام ظاہرہ (شرعی) علوم کی تکمیل کے بعد اپنی روح کی تشنگی کو دور کرنے کے لئے کسی رہبر کامل اور مربی صادق کی جستجو میں شب و روز بسر کرنے لگے۔ اسی خیال میں محو حیران و سرگرداں جنگل کی راہ لیتے۔ تلاش حق میں گھومتے پھرتے رہتے۔

علوم ظاہری سے فراغت پانے کے بعد علوم باطنی کی طرف متوجہ ہوئے۔ یہاں یہ بات بے محل نہ ہوگی کہ کتب حدیث، فقہ اور آیات قرآنی کے جو حوالے آپ کے کلام میں کئی جگہ پائے جاتے ہیں، اسی تعلیمی دور کا اثر تھا۔ صوفی اکبر علی صاحب ''سلیم التواریخ'' میں بیان کرتے ہیں'' بلھے شاہ نے قرآن شریف پڑھ لینے کے بعد فارسی کی درسی کتابیں پڑھ کر فقہ اور تفسیر پر توجہ کی۔ قدوری، کنز، ہدایہ تک سب دیکھ لیے (ص 375)۔ پھر غور کرنے لگے کہ ھوالباطن کا اقرار تو سب کو ہے۔ وسیلہ ایسا ہونا چاہیے کہ ھوالظاہر دکھا دے۔''

وہ مختلف علوم کی عربی فارسی اصطلاحات کو بے تکلف اپنے کلام میں جا بجا استعمال کرتے ہیں۔ ان کا مطالعہ اسلامی تصوف کی کتب کے بارے میں خصوصی ہے۔ خصوصاً ابن عربی کی فصوص الحکم اور فتوحات مکیہ کے مضامین انہوں نے خوب ادا کئے ہیں۔ فقہ کی مشہور چار کتب (منطق، معانی، کنز، قدوری) کا مطالعہ بھی کیا تھا۔ آپ کے ایک مصرعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ''امر کنڈ'' کا ترجمہ ''بحر الحیواۃ'' کا مطالعہ بھی کیا تھا جو شیخ محمد غوث گوالیاری نے 1562ء میں کیا تھا۔ اس میں ہندو یوگیوں اور سنیاسیوں کے اطوار واشغال کی تفصیل تھی۔

بھائی پریم سنگھ قصوری جنہوں نے 1896ء میں آپ کا کلام جمع کیا لکھتے ہیں کہ آپ امّی (اَن پڑھ) تھے۔ لہٰذا آپ اپنا کلام لکھ نہیں سکتے تھے۔ پریم سنگھ قصوری کا یہ کہنا درست نہیں۔

مرشد کی تلاش میں حضرت بلھے شاہ پر جذب کی سی کیفیت طاری رہتی تھی۔ کبھی بے چین ہو جاتے کبھی تڑپتے، دن اور رات سوز و گداز میں بسر کرتے۔ طبیعت پر ایک جنوں غالب تھا کہ وسیلہ ملے تو ایسا جو ھوالظاہر دکھا دے۔ اسی طرح پھرتے پھراتے زار و زبوں اور دردمند ایک روز

بٹالہ کی جانب جا نکلے۔ بیان کرتے ہیں کہ منہ سے منصور والا کلمہ نکل گیا۔ بعض لوگ پکڑ کر آپ کو دربار فاضلہ کے مرد عارف شیخ محمد فاضل الدینؒ (23) کی خدمت میں لے آئے۔ آپ حضرت بلھے شاہؒ کی مرض کو بھانپ گئے اور فرمایا کہ ان کو شاہ عنایت قادریؒ کے ہاں لے جائیں وہاں جا کر کامل بن جائے گا۔ ان دنوں حضرت شاہ عنایت قادری دنیائے تصوف میں بڑا نام اور بلند مقام رکھتے تھے اور وجودی فکر کے سبب برصغیر میں اپنے معاصرین صوفیاء اور اولیائے کرام میں بھی ممتاز تھے۔ ذات کے ارائیں (ارائین) تھے۔ قصور میں رہتے تھے لیکن قصور کے حاکم کے ساتھ اَن بن ہونے کے باعث قصور کو چھوڑ کر لاہور میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ یہاں پر حضرت شاہ عنایت کے مختصر حالات بیان کیے جاتے ہیں۔ تاکہ ان کی عظمت کا پتہ چل سکے۔

حضرت شاہ عنایت قادری شطاریؒ

آپ کا اسم گرامی محمد عنایت اللہ قادری والد صاحب کا نام شیر محمد (بعض کتابوں میں پیر محمد اور فقیر محمد بھی لکھا ہے) ہے۔ خاندانی شجرہ "طریق الاصفیاء" جس کا مرتب کرنے والا مولوی سراج دین ساتویں پشت سے آپ کی اولاد سے تھا، سند کا درجہ رکھتا ہے۔ وہ آپ کے والد کا نام شیر محمد لکھتا ہے جسے درست تسلیم کیا جاتا ہے۔

حضرت محمد عنایت اللہ عرف شاہ عنایت قادریؒ بلند پایۂ عالم، مفسر، فقیہہ اور پنجاب کے اکابر علماء اور صلحاء سے تھے آپ کے آباؤ اجداد لاہور میں کئی پشتوں سے آباد تھے جن کا پیشہ کاشتکاری اور باغبانی تھا۔ مفتی غلام سرور لاہوری نے لکھا ہے۔ (24)

(شاہ عنایت) از قوم باغبان یعنی زمیندار بود" آپ ارائیں خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے بزرگ بیرون لاہور حد بست (25) مزنگ میں رقبہ زرعی اراضی کے مالک و قابض تھے۔ اس اراضی کی کاشت آپ کا ذریعہ معاش تھا۔ والد کی وفات کے بعد یہی اراضی آپ نے ورثہ میں پائی۔

حضرت شاہ عنایت قادریؒ کے نانا کا تعلق ایک ایسے علمی گھرانے سے تھا جس کی روایات میں درس و تدریس کی خدمات شامل تھیں۔ قصور میں ایک مسجد کے پیش امام تھے۔ امامت کے علاوہ

ان کا بھی ذریعہ معاش کاشت کاری تھا۔ آپ بڑے شریف النفس، عالم اور درویش منش بزرگ تھے۔ معاصرانہ تذکروں اور کتب تاریخ میں آپ کے ننہال کا ذکر نہ ہونے کے باعث آپ کے بچپن کے حالات اور تعلیمی سرگرمیاں بڑی حد تک پردہ اخفا میں ہیں مگر اس بات کا علم ہوتا ہے کہ آپ کے والد محترم نے بعض وجوہ کی بنا پر لاہور سے "نقل مکانی" کر کے قصور اپنے سسرال کے ہاں چلے گئے۔ ہوسکتا ہے کہ لاہور کے حالات دگرگوں ہو گئے ہوں۔ اور آپ کو مجبوراً لاہور چھوڑنا پڑا۔ قصور کے بہتر حالات کی کشش نے یا بشارت غیبی سے یہاں تشریف لائے ہوں۔ اور قصور میں اقامت پذیر ہو گئے۔ حضرت شاہ عنایت 1056ھ میں قصور میں پیدا ہوئے۔ (26) جب قصور میں آپ کے سسر نے انتقال کیا تو ان کے بعد وہاں کی مسجد کی امامت آپ کے سپرد کی گئی۔ اس ذمہ داری کو آپ نے بخوشی قبول کیا۔ منصب امامت کے ساتھ ساتھ سلسلہ وتدریس جاری کر دیا۔ قصور کے باسی آپ کی شرافت اور دیانت داری کے قائل ہوئے۔ پانچوں وقت کی نماز کے علاوہ آپ تہجد گزار بھی تھے۔ ایک روایت بیان کرتے ہیں (27) جب آپ رات کے پچھلے پہر نماز تہجد کے واسطے مسجد میں تشریف لے جایا کرتے تو ایک مجذوب سے آپ کی ملاقات ہوتی جو آپ کو دیکھ کر بہت خوش ہوتا اور کہتا کہ جلد تیرے ہاں ایک لڑکا پیدا ہونے والا ہے جو تیرے خاندان کا نام روشن کرے گا۔ مولوی صاحب اس مجذوب کی باتیں سن کر خاموشی سے مسجد میں داخل ہو جایا کرتے تھے اور فجر کی نماز کے بعد فارغ ہو کر درس وتدریس میں مشغول ہو جاتے کچھ دنوں کے بعد مولوی صاحب کے ہاں ایک فرزند پیدا ہوا۔ والدین نے اس کا نام محمد عنایت اللہ رکھا اور تاریخ تصوف نے حضرت شاہ عنایت قادریؒ کے نام سے شہرت وعظمت کا سنہری باب لکھا۔ یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ آپ کے ننہال کی قیام گاہ کس کوٹ میں واقع تھیں اور قصور کی کس مسجد میں امامت کے فرائض ادا کرتے اور درس دیا کرتے تھے۔

یہاں یہ بیان بے محل نہ ہوگا کہ "سات ستارے" کا مصنف رام سنگھ درویش (ص 78) پر لکھتا ہے۔ "شاہ عنایت جی کے ننہال سیالکوٹ میں تھے اور ان کے دو ماموں امام دین اور جھنڈا باغبانی

کا کام کرتے تھے۔ اور شاہ صاحب اکثر سیالکوٹ ان کے ہاں آتے تھے۔ ان دنوں بلھا شاہ صاحب بہت چھوٹے بچے تھے۔"

علماء ومشائخ کے جتنے تذکرے ہماری نظر سے گذرے ہیں کسی نے بھی شہر سیالکوٹ کو آپ کا ننہال نہیں لکھا۔ مصنف نے بھی اس قول کے ثبوت میں کسی ماخذ کا ذکر نہیں کیا۔

ڈاکٹر لاجونتی رام کرشنا نے پنجابی صوفی پوئیٹس Punjabi Sufi Poets پر انگریزی زبان میں کتاب لکھی ہے جو آکسفورڈ یونیورسٹی پریس سے 1938ء میں شائع ہوئی۔ ڈاکٹر لاجونتی نے کچھ مسودات از مولوی سراج دین قادری شطاری جو آپ کی درگاہ کے گدی نشین تھے اور ساتویں پشت سے آپ کی اولاد تھے کا ملاحظہ کیا وہ بیان کرتی ہے کہ ذاتی مسودات میں ایک مسودہ کے ساتھ آپ کے اپنے ہاتھ کا تحریر کردہ ایک اجازت نامہ شامل تھا۔ جو آپ نے اس دور کے صوفیاء کی طرف اپنے بیٹے کو عطا کیا تھا، اس اجازت نامہ پر آپ کی مہر ثبت ہے۔ جس پر سن 1110ھ (1699ء) درج ہے اس سن کے مطابق آپ مغل حکمران اورنگ زیب عالمگیر کے ہم عصر تھے۔ قیاس ہے کہ شاہ جہاں بادشاہ کے زمانہ میں آپ پیدا ہوئے ہوں گے۔"(28)

مذکورہ بالا بیانات کی روشنی میں یہ بات اخذ ہوتی ہے کہ آپ کی تاریخ پیدائش ایک اندازہ سے بیان کی گئی ہے۔

آپ نے اپنی تصنیف "غایۃ الحواشی" جو شرح وقایہ پر حاشیہ ہے میں آپ نے اپنا پورا نام اس طرح لکھا ہے۔ "العبد الفقیر المشتاق الی بقاء الباری ابو المعارف محمد عنایت اللہ الحنفی القادری القصوری ثم لاہوری الشطاری"(29)

ابو المعارف آپ کی کنیت اور محمد عنایت اللہ نام ہے لیکن آپ عموماً شاہ عنایت قادریؒ کے عرف سے معروف ہیں بچپن میں آپ نے قرآن شریف حفظ کر لیا اور حافظ قرآن کہلائے (30)۔ مگر قصور میں کس درس گاہ میں یا کس استاد سے آپ نے قرآن شریف کی تعلیم پائی اس کی نشاندہی نہیں ہو سکی۔

تعلیم و تربیت

حضرت شاہ عنایت قادریؒ کے والد خلیق، متواضع اور صاحب بصیرت انسان تھے۔ مروجہ علوم عربی و فارسی کے عالم بھی تھے۔ موضع قصور کی ایک مسجد کے پیش امام تھے۔ اس لئے خیال ہے کہ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے شروع کی اور پھر انہوں نے اپنے بیٹے کو اعلیٰ تعلیم سے آراستہ کرنے کا اہتمام کیا۔ زمانے کے بہترین اساتذہ سے عربی اور فارسی زبانوں کے ساتھ ساتھ دینی علوم میں دسترس حاصل کی۔ آپ نے ظاہری علوم کی تحصیل مولانا سید ابوالنصر عرف سید الیاسؒ اور مولوی عبدالہادی لاہوریؒ سے کی۔ (31)

قصور میں اقامت اور سلسلہ درس و تدریس

حضرت شاہ محمد رضا قادری شطاری لاہوریؒ آپ کے ہم عصر تھے۔ آپ کا شمار پنجاب کے مقبول ترین مشائخ میں تھا۔ آپ جامع علوم ظاہری و باطنی، حادی کمالات صوری و معنوی، واقف رموزِ شریعت و طریقت، فاضل تبحر اور زبردست فقیہہ تھے۔ آپ کا فتویٰ بھی چلتا تھا آپ کے والد بزرگوار قاضی محمد فاضل لاہوری (32) اورنگزیب عالم گیر کے عہد میں قاضی لاہور تھے۔ اور قاضی کے لقب سے ملقب تھے۔ حضرت شاہ محمد رضاؒ کی بیعت و خلافت سلسلہ شطاریہ میں اپنے والد سے تھی جن کا سلسلہ بیعت چند واسطوں سے حضرت شاہ محمد غوث گوالیاریؒ اور ان کے خلیفہ اعظم حضرت شیخ وجیہہ الدین گجراتی پر منتہی ہوتا ہے۔ وفات 12 جمادی الاول 1118ھ بمقام لاہور ہوئی۔ آپ کا مزار اقدس بازار جج محمد لطیف ہیرا منڈی میں ایک اونچے چبوترے پر واقع ہے جو زیارت گاہ خلائق ہے۔

آپ سلسلہ شطاریہ سے منسلک تھے اور لاہور میں روحانی چشمہ فیض جاری کئے ہوئے تھے۔ دور دور سے تشنہ لب آتے اور فیضان نظر سے اور محبت کرم سے سرشار ہو کر واپس اپنے گھروں کو جاتے۔ حضرت شاہ عنایت قادریؒ نے آپ کی شہرت سنی۔ قصور سے لاہور کئی بار آئے اور آپ کی

خدمتِ اقدس میں رہتے۔ حقائق و معارف کی تعلیم پائی۔ سلوک کی منزلیں طے کیں۔ علوم باطنی اور صحبت فیض سے جلد درجہ کمال کو پہنچ گئے۔ آپ سے بیعت اور خرقہ خلافت سے سرفراز ہوئے۔ ڈاکٹر جولانتی کا بیان ہے کہ شاہ عنایت قادریؒ نے حضرت شاہ محمد رضا قادریؒ سے خرقہ خلافت حاصل کرنے کے علاوہ سلسلہ قادریہ کے سات (33) دوسرے سلسلوں میں بھی خلافت حاصل کی۔ طریقہ چشتیہ و سہروردیہ میں حضرت ابوالنصر عرف سید الیاسؒ سے خرقہ خلافت حاصل کئے۔

حضرت شاہ عنایت قادریؒ جب قصور پہنچے تو مرشد کے حکم کی تعمیل میں ہدایت خلق میں مصروف ہو گئے۔ آپ کی درسگاہ روحانی تعلیم و تربیت کا مرکز بن گئی، ایثار و تقویٰ ان کا مقصد تھا، تصوف ان کے نزدیک ایک علمی، اخلاقی، روحانی اور معاشرتی تحریک تھی جس کے اثرات کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ اس تعلیم سے جو ذہین افراد ابھرتے۔ وہ عبادت گزار، تقویٰ شعار اور علم و اخلاق کے علمبردار ہوتے تھے۔ ان کے اندر علمی گہرائی اور روحانی عظمت، سلوک، خدمت خلق، اخوت، معاشرتی اصلاح اور قربِ خداوندی کی طلب ہوتی تھی۔ ان کے دل خدا کی محبت سے بھرپور تھے اور خلوص، قناعت، استعداد، عالی حوصلگی، جرأت، سخاوت، انسانی ہمدردی اور تبلیغی سرگرمیوں کے جامع تھے۔ ہزاروں انسان آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے۔ اور آپ کے علمی اور روحانی فیوض و برکات سے استفادہ کیا۔ آپ کے حلقۂ درس میں قرآن، حدیث اور فقہ کا درس جاری رہتا۔ آپ کے مریدین اور طالبانِ علم میں سے حضرت سید بلھے شاہ قابل ذکر روحانی پیشوا ہیں جنہوں نے نام و نمود کی خواہش سے بالکل بے نیاز ہو کر ہمت اور استقلال کے ساتھ اپنے پیرومرشد کے مشن کو کئی برس تک جاری و ساری رکھا، حتیٰ کہ ظاہر بین طبقہ کو اس وقت آپ کی خدمات کا کوئی احساس نہ ہو بلکہ ان کے صحیح العقیدہ مسلمان ہونے میں شک کرنے لگا لیکن رفتہ رفتہ وقت اور حالات نے یہ ثابت کر دیا کہ آپ اسلام کے سچے خادم اور مبلغ تھے۔

حاکم قصور سے نزاع :

چونکہ آپ اپنے مرشد کامل سید شاہ محمد رضا علی شاہ صاحب کے عظیم خلفاء میں سے تھے۔ اپنے

مسلک کے مطابق مجلس حلقہ ذکر بھی ترقی کر گیا۔ عقیدت مندوں کا ہجوم ہونے لگا۔ اس بڑھتی ہوئی خداداد شوکت و عروج کو نواب حسین خاں حاکمِ قصور نے اپنے وقار اور اقتدار کے لئے خطرہ محسوس کیا اور قصور سے نکال دیا۔ آپ کو قصور سے نکالا تو لوگوں کی آہ و زاری دیکھی نہ گئی اور فرمایا کہ تسلی رکھو، خدا اسے جلد دنیا سے نکال دے گا۔ چنانچہ چند دنوں کے بعد ہی نواب حسین خان مچھیروں کے ہاتھوں مارا گیا۔ آپ 1132ھ/1720ء میں چھہتر سال کی عمر میں اپنے آبائی وطن لاہور آ گئے۔

لاھور میں آمد

لاہور آ کر آپ نے اپنے دونوں بیٹوں محمد زمان اور محمد زاہد کے ہمراہ اپنی آبائی زمین واقع مزنگ میں کاشتکاری شروع کر دی۔ ساتھ ہی درس و تدریس کا سلسلہ بھی شروع کر دیا۔ عقیدت مندوں کے نذرانوں میں سے یہاں ایک درج کیا جاتا ہے: ''گوہر گنجینۂ بحرِ عنایات خدا، حضرت شاہ عنایت آں چراغ اولیاء، شاہ عنایت پیر بلھے شاہ فخرِ اولیاء رنگ حسین مرتضیٰ اور شانِ مصطفیٰ۔''

ڈاکٹر لاجونتی کا بیان ہے کہ حضرت شاہ عنایت قادریؒ جب لاہور تشریف لائے تو بعض معاصرین علماء آپ سے گہرا حسد کرنے لگے جن کا آپ نے بڑے تدبر سے سامنا کیا اور اپنا علیحدہ مکتب جاری کر دیا۔ جہاں آپ اپنی صوفیانہ فکر کی تعلیم دیتے تھے۔ اس مکتب میں بڑے بڑے اہل علم مزید تعلیم کے لئے فلسفہ و دیگر روحانی علوم میں دسترس حاصل کرتے (34)۔ عہد عالمگیری میں بڑے بڑے نامور علماء نے وسیع پیمانہ پر لاہور میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا تھا جن کا آپس میں اتفاق و اتحاد تھا اور ایک ہی مکتب فکر سے تعلق رکھتے تھے۔ ان معاصر بزرگانِ لاہور میں مولوی نظام الدین چشتیؒ (35)، ملا محمد اکرم ولد ملا یحییٰ لاہور (36)، حضرت شاہ محمد غوث لاہوری (37)، حضرت شاہ محمد رضا شطاری اور مولوی عبدالہادی لاہور شارح شمائل النبویہ ﷺ کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔ ان علمائے کرام کا فکر ''وجودی'' بیان کرتے ہیں۔ سب سے پہلے جس نے ''وحدت الوجود'' کے نظریئے کو فلسفہ کی صورت بخشی وہ

حضرت شیخ محی الدین ابنِ عربیؒ (التوفی 638ھ) تھے۔ جنہوں نے فلسفہ ''وحدت الوجود'' کو اپنی مشہور تالیفات ''فتوحاتِ مکیہ'' اور ''فصوص الحکم'' کے ذریعہ فاضلانہ انداز میں عام کیا۔ پھر اسی فلسفہ کی شرح صدرالدین قونیویؒ (38) نے کی اور اسرارِ تصوف کے لطیف نکات پیش کئے۔

نقشبندیہ سلسلہ کے علاوہ ہندوستان میں تصوف کے جو سلسلے رائج تھے وہ ایران اور عراق سے یہاں آئے تھے۔ سلسلہ قادریہ، سہروردیہ اور چشتیہ ان تینوں سلسلوں کے صوفیائے کرام پر ''وحدت الوجود'' کا رنگ غالب تھا اور ''ہمہ اوست'' کے قائل تھے۔ ان کی فکر مختصر یہ ہے کہ تمام افراد کائنات، تجلیاتِ حق ہیں اور اس کثرتِ اعتباری کا وجود اس وحدتِ حقیقی سے ہے۔ حضرت شاہ عنایت قادریؒ بھی ان مکتبِ فکر سے منسلک تھے۔ ان حالات میں دیگر علمائے دین سے حسد اور مخالفت کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ یہ فکر قابلِ غور ہے کہ جب ہندوؤں نے نظریہ ''وحدت الوجود'' میں اپنے فلسفہ کی آمیزش شروع کی تو اس سے صوفیہ خام کا طبقہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اور ان صوفیہ خام کی مدد سے انہوں نے باقاعدہ تحریک شروع کردی۔ جس کا آغاز بھگتی تحریک سے تھا۔ ان کے افکار کا مرکزی نقطہ نظریہ ''وحدتِ ادیان'' تھا جس میں فلسفہ ہندومت کی آمیزش۔ اور پرچار کا پہلو مضمر تھا۔ اس نظریہ کا پرچار کفر و اسلام کے فرق کو مٹانے کے لئے وجود میں آیا۔ بڑے بڑے خام صوفی اس نقطہ نظر کے علم بردار بن گئے اور ان کو فروغ دیا پھر متضاد افکار مشاہدہ میں آئے جو کتاب و سنت کی مطابقت نہیں کرتے تھے۔

حضرت شاہ عنایت قادریؒ جید عالم اور صاحب شریعت و طریقت بزرگ تھے۔ اور ان کے مرید و خلیفہ حضرت سید بلھے شاہ (جن کا ذکر آگے پیش کیا جارہا ہے) پر ''وحدت الوجود'' کا رنگ شدت سے غالب تھا۔ اور اپنے اندر عظیم روحانی قوت پاتے تھے۔ یہ غلبہ اسی حد تک تھا جس حد تک اسلام مانع نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ غیر شرعی صوفیہ خام جن کا نقطہ نظر ''وحدت ادیان'' ہو اور وہ کعبہ و بت خانہ اور مسجد و مندر کا فرق مٹانے کے درپے ہوں۔ آپ کے حاسد اور دشمن بن گئے ہوں۔ یا یہ ڈاکٹر لاجونتی کی اپنا فکر ہو جس کا وہ اظہار کرتی ہے۔

علمی ،ادبی اور دینی خدمات

اس پُر آشوب اور بدامنی کے دور میں لاہور میں سینکڑوں درس گاہیں تھیں لیکن آپ کا مدرسہ امتیازی شان رکھتا تھا۔ آپ عبادت گزار، تقویٰ شعار اور علم و اخلاق کے علم بردار تھے۔ آپ کی پوری زندگی کتاب و سنت کے مطابق تھی۔ آپ کا ہر قدم رضائے الٰہی کی طلب میں اٹھا تھا، آپ کے ہر عمل کا منشاء خدا کا قرب و خوشنودی تھا۔ اس بات کے عامل بھی تھے کہ جو سنت کی پیروی میں جتنا قریب ہے اور جو اتباع سنت میں جتنا زیادہ جذبہ رکھتا ہے اتنا ہی وہ بزرگی میں افضل و اعلیٰ ہے۔

تعلیمات

آپ کے درس میں قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ علوم وفنون کے علاوہ مثنوی مولانا روم، فصوص الحکم، کتب تصوف خاص کر متقدمین صوفیہ کے حالات کا مطالعہ بہت ضروری سمجھا جاتا تھا۔ بیان کرتے ہیں کہ کبھی کبھی محفل سماع بھی منعقد ہوتی تھی۔ بڑے بلند پایہ قوال اس محفل میں شریک ہوتے۔ اکثر خواجہ حافظؒ، ملا محمد شیریں مغربیؒ، احمد جامؒ، فخر الدین عراقیؒ، ملا بدخشیؒ اور مثنوی مولانا رومؒ کے علاوہ شاہ شمس تبریزؒ کا کلام بھی پیش کیا جاتا ہے۔ (39)

لاہور میں آپ کے سلسلے کے فیوض و برکات کئی برسوں تک جاری و ساری ہے۔ شاگردوں کی تعداد روز بروز بڑھتی گئی۔ بڑے بڑے طالبانِ علم دور دراز علاقوں سے آتے اور فیض یاب ہو کر جاتے۔ سلسلہ قادریہ شطاریہ جس سے آپ منسلک تھے کو فروغ دیا۔ فلسفہ ''وحدت الوجود'' جس کے آپ حامی تھے نے ترقی کی۔ آپ کے اس مکتبہ فکر و دانش سے بڑے بڑے عالم فیض یاب ہو کر نکلے، ان ہی بوریہ نشینوں کی تعلیمات نے دینی احساس کو بیدار کیا اور جو عوام کے ملجا و ماویٰ ہوئے۔

حضرت شاہ عنایتؒ اونچی مسجد (بھاٹی دروازہ) میں بغیر کسی معاوضہ کے برسوں تک وعظ و خطابت اور درس و تدریس کی خدمات انجام دیتے رہے۔ آپ کے درس میں مبتدی اور منتہی

دونوں شریک ہو کر اپنی اپنی استعداد اور قابلیت کے مطابق اخذ فیض کرتے ۔ آپ نے درس حدیث تعلیمات اور تصوف کو بڑے اہتمام سے جاری رکھا جو بدعات، محدثات رواج پا گئی تھیں ان کا سد باب کیا۔ بدعات کے خلاف حق بات بیان کی۔ آپ نے عوام کی کایا پلٹ دی اور اسلامی معاشرہ میں ایک انقلاب برپا کر دیا۔

تصانیف

حضرت شاہ عنایت قادریؒ کثیر التصانیف عالم تھے۔ صوفیانہ مسلک پر آپ نے کئی کتابیں تصنیف فرمائیں۔ متقدمین علماء کی کتابوں کی تفاسیر، شروح اور حواشی بھی لکھے، عربی اور فارسی کے فاضل اور مترجم بھی تھے۔ اب تک حسب ذیل آپ کی ان کتابوں کا پتہ چل سکا ہے، جن کی تعداد بیس کے لگ بھگ ہے۔

1۔ غایۃ الحواشی (عربی منشور) یہ کتاب شرح وقایہ جو فقہ حنفیہ کی ضخیم کتاب ہے پر آپ کا حاشیہ ہے۔ سال تصنیف 1132 یا 1134ھ قلمی مخطوطہ مخزونہ کتاب خانہ دانش گاہ پنجاب لاہور نمبر 6410۔

2۔ مجموعہ عرفانی شرح مجموعہ سلطانی (فارسی منشور) قلمی نسخہ ذخیرہ شیرانی کتاب خانہ دانش گاہ پنجاب نمبر 657۔

3۔ کنز الدقائق کی ایک بسیط شرح لکھی ہے، جس کا نام "ملتقط الحقائق" ہے۔ صاحب حدائق الحنفیہ اور نزہۃ الخواطر بیان کرتے ہیں کہ آپ اپنے وقت کے بہت بڑے جید حنفی فقیہہ تھے۔ صاحب حدائق الحنفیہ مزید رقم طراز ہے کہ اس شرح میں آپ نے تشہد کے اندر اشارۂ سبابہ کو مسنون قرار دیا ہے اور اس سنت کو خوب ترجیح دی ہے (تذکرہ ص 457)

4۔ رسالہ در مسئلہ حرب و دار الحرب مکتوب حاجی محمد شریف نقشبندی قصوریؒ فارسی قلمی نسخہ مملوکہ محمد اقبال مجددی۔ اس رسالہ میں ہندوستان کی اس وقت کی حالت کے پیش نظر ہندوستان کے ہندو اکثریت والے صوبوں کو دار الحرب قرار دیا ہے۔

5۔ وحدت الوجود کے موضوع پر ایک تصنیف "تنقیح المرام فی مبحث الوجود" ہے جس سنِ تصنیف 1110ھ بیان کرتے ہیں صاحب نزہۃ الخواطر بیان کرتے ہیں کہ اس کے علاوہ صوم و صلوٰۃ کے مسائل پر ایک رسالہ بھی آپ کی یادگار ہے۔ اس رسالہ کا نام نہیں لکھا۔ (نزہۃ الخواطر جلد 6، ص 196-195)

6۔ لطائف غیبیہ (فارسی نثر) سال تصنیف 1110ھ (قلمی نسخہ) مخزونہ کتاب خانہ مرکز تحقیقات فارسی، ایران و پاکستان، راولپنڈی، یہ کتاب مولوی سراج دین قادری شطاری اولاد حضرت شاہ عنایت قادریؒ کے کتاب خانہ میں قبل از تقسیم موجود تھی، صاحب سلیم التواریخ نے اس کا مطالعہ کیا اور بیان کرتا ہے کہ اس میں طریق مسنون اور اشغال واذکار درج ہیں طرق مختلفہ کے مدارج کے علاوہ تصوف کے لطیف نکات بھی ملتے ہیں۔ اور شطاریہ سلوک پر مبنی ہے۔

7۔ اذکار قادریہ فہرست مخطوطات آئی وانو Ivanov ایشیاٹیک سوسائٹی آف بنگال کلکتہ 1924ء مخطوطہ نمبر 1323۔

8۔ ذیل الاغلاط فی مسائل الغصب بالافراط (فارسی منثور) درردّ حاجی محمد شریف نقشبندی قصوریؒ (قلمی نسخہ) مملوکہ محمد اقبال مجددی۔

9۔ الکلمات التامات فی رومطاعن الثقات (عربی منثور) درردّ حاجی محمد شریف نقشبندی قصوریؒ (قلمی نسخہ) مملوکہ محمد اقبال مجددی۔

10۔ رسالہ فی ہبۃ الطاعات من الصوم والصلوٰۃ (عربی منثور) دررد حاجی محمد شریف نقشبندی قصوریؒ (قلمی نسخہ) مملوکہ محمد اقبال مجددی۔

11۔ رسالہ فی حل شرف اللہ خان (عربی منثور) درردّ حاجی شریف نقشبندی قصوریؒ (قلمی نسخہ) مملوکہ مولانا عبدالرشید شاہدرہ۔ لاہور

12۔ رسالہ فی حل تنباکو (عربی منثور) قلمی نسخہ مملوکہ معین الدین لاہور۔

13۔ رسالہ فی ردّ من قال ان الدمانی الرزق کفر (عربی منثور) قلمی نسخہ مملوکہ محمد اقبال مجددی۔

14۔ لباس برہنہ شرح، بعض مقامات منادی برہنہ، تصنیف مولوی نصیر الدین لاہور (فارسی منشور) قلمی نسخہ مملوکہ مولانا محمد طیب ہمدانی قصور۔

15۔ فتاویٰ عنایتیہ بحوالہ تحریر حاجی محمد شریف نقشبندی قصوریؒ (قلمی نسخہ)

16۔ دستور العمل (فارسی منشور) بحوالہ صوفی محمد اکبر علی سلیم التواریخ (ص 370-367)

صوفی صاحب بیان کرتے ہیں کہ یہ کتاب آپ نے ایک دوست کی فرمائش پر لکھی، عملیات کی ایک جامع کتاب ہے۔ اس کتاب کو دیکھ کر آپ کی اصلی عظمت کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے۔ اور بے ساختہ کہنا پڑتا ہے کہ پنجاب کے دارالصدر لاہور میں صدر العلماء ہونے کے علاوہ بے شک آپ صدر العرفا کہلانے کے ضرور مستحق ہیں۔ (بلھے شاہ چارلس فریڈرک اسبورن، آئی سی ایس مطبوعہ لاہور 1905ء۔)

17۔ شرح معہ تفسیر جواہر خمسہ (قلمی نسخہ) اسلامیہ کالج پشاور لائبریری، پشاور نمبر 1652۔

18۔ ارشاد الطالبین (فارسی منشور) مملوکہ مولوی سراج دین قادری شطاری اولاد حضرت شاہ عنایت قادریؒ، بحوالہ بلھے شاہ، سی ایس اسبورن، آئی سی ایس مطبوعہ لاہور 1905ء

19۔ اصلاح العمل (فارسی منشور) مملوکہ سراج دین قادری شطاری اولاد حضرت شاہ عنایت قادریؒ، بحوالہ بلھے شاہ، سی ایس اسبورن، آر کے رام کرشنا لاجونتی، اے آر لوتھر، ناشر شیخ مبارک علی کتب فروش، لاہور مطبوعہ 1982ء۔ (بزبان انگریزی)

20۔ تاریخ الاصفیاء

21۔ محمد غوث گوالیاری کی کتاب "جواہر خمسہ" پر حواشی۔

وفات

مولوی سراج دین قادری شطاری (اولاد حضرت شاہ عنایت قادریؒ) نے "طریق الاصفیاء" اور "وظائف کلاں" کے حوالے سے آپ کی تاریخ وفات 27 جمادی الثانی 1147ھ 1735ء بیان کی ہے اور یہی سن وفات لوح مزار پر کندہ ہے۔ اس وقت مغل بادشاہ محمد شاہ کی حکومت تھی۔

آپ کا مقبرہ اس زمین پر ہے جس کی آپ کاشت کیا کرتے تھے۔ یہ مزار پرانوار دس کوئنز روڈ (شاہراہ فاطمہ جناح) لاہور پر واقع ہے۔ مزار کی تختی پر یہ عبارت تحریر ہے "دربار عالیہ سرتاج اولیاء فخر شریعت الحاج حافظ حضرت محمد عنایت اللہ المعروف بابا شاہ عنایت قادریؒ "

کتاب "باغ اولیائے ہند" کا مصنف تاریخ وفات 1141ھ تحریر کرتا ہے۔

تاریخ ادبیات، جلد تیرھویں صفحہ 301 میں بھی سن وفات 1141ھ (1728ء) درج ہے۔

بعض قرائن سے علم ہوتا ہے کہ آپ کا سن وفات 1147ھ مابعد ہے۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ (پنجاب یونیورسٹی) لاہور جلد 2/14، ص 305 میں بیان کیا گیا ہے کہ شاہ عنایتؒ کے معاصر علم حاجی محمد شریعت قصوریؒ سے روابط تھے۔ اپنے ایک مکتوب (محررہ 1148ھ / 1735ء) میں انہیں "سلمہ اللہ تعالیٰ لکھا ہے" جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شاہ عنایتؒ اس وقت بقید حیات تھے۔ اور تقریباً 1150ھ / 1737ء کے بعد فوت ہوئے۔

بلھے شاہ کی شاہ عنایت سے ملاقات

حضرت بلھے شاہؒ کی اپنے شیخ کی بارگاہ میں پہلی دفعہ حاضری کے متعلق مختلف روایات بیان کی جاتی ہیں۔ مگر یہاں صرف تین مرویات پر اکتفا ہوگا۔

پھلا واقعہ

شاہ عنایتؒ کا پیشہ باغبانی تھا۔ بلھے شاہؒ جب ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ اس وقت اپنے کام میں مصروف تھے۔ اور پودوں کی پنیری ایک جگہ سے اکٹھا کر دوسری جگہ لگا رہے تھے۔ صوفی شاہ عنایتؒ نے بلھے شاہؒ کے آنے کی وجہ دریافت کی۔ بلھے شاہؒ نے ان سے التجا کی کہ وہ مسئلہ اسرار خدا کی تعلیم دینے کے لئے انہیں اپنا مرید بنالیں۔ تو شاہ عنایتؒ بولے۔

بلھیا رَبّ دا کیہ پاونا ۔
ایدھروں پٹنا تے اُودھر لاونا

(اے بلھا! رب کا کیا کرنا ہے۔ ادھر سے اکھاڑ کر ادھر ہی لگانا ہے) یعنی روحانی ترقی کا راز من کو باہر سے یعنی دنیا سے موڑ کر خدا سے جوڑنے میں ہے۔ اور عملی طور پر دکھا بھی دیا۔

ان مختصر الفاظ میں آپ نے ساری کائنات کا راز بتا دیا۔ جس نے بلھے شاہ کے من میں آگ لگا دی۔ خودی کی تاریکی دور ہوئی۔ بے خودی کا روپ الوپ نظر آیا۔ روحانی روشنی پیدا ہوئی اور عالم بالا کی تجلیوں نے نور علیٰ نور کر دیا۔ اسی وقت قدموں میں گر پڑے اور دامن پکڑ لیا۔ شاہ عنایتؒ قادری نے سینے سے لگا کر دولتِ ولایت اور خرقہ خلافت سے اونچی مسجد بھاٹی دروازہ میں سرفراز فرمایا۔ (40) اولاد حضرت شاہ قادریؒ بھی اس واقعہ کی تصدیق کرتے ہیں۔

دوسری روائت

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت شاہ عنایتؒ کا لاہور میں ایک باغ تھا۔ ایک دفعہ اللہ غنی کے نعرے لگاتا ہوا نوجوان بلھے شاہؒ باغ میں آیا۔ ہر نعرے پر پکا ہوا آم اس کی جھولی میں آ گرتا۔ آم کھانے بیٹھا تو شاہ عنایت نے آن لیا۔ بلھے شاہ نے ڈٹ کر کہا۔ میں نے یہ آم چرائے تو نہیں۔ بلکہ آپ سے آپ میری جھولی میں آن گرے ہیں۔ اور یہ کہہ کر ایک بار پھر کہا۔ اللہ غنی۔ اس پر ایک اور آم جھولی میں آ گرا۔ شاہ عنایت نے مسکرا کر کہا۔

نعرہ لگانا تو سیکھو! اور خود جذب کے رنگ میں اللہ غنی کا ایسا نعرہ مارا کہ باغ کے تمام آم فرش پر آن گرے دوسرا نعرہ مارا تو آم واپس ٹوٹوں کے ساتھ جا لگے۔

حضرت بلھے شاہ نے جسے معمولی آدمی سمجھا اسی کے ہاتھوں شکست کھا کر ان کے خیالات میں انقلاب آ گیا۔ وہ حضرت شاہ عنایتؒ کے قدموں میں گر پڑے اور ان کا مرید بننے کی التجا کی جو حضرت شاہ عنایت نے منظور کر لی۔

تیسرا واقعہ

تلاش مرشد کے سلسلے میں حضرت بلھے شاہؒ ننگے پاؤں چل کر لاہور پہنچے۔ ان دنوں حضرت شاہ

عنایت قادریؒ بھائی دروازہ کے اندر اونچی مسجد کے امام تھے اور وہاں درس دیا کرتے تھے۔ حضرت بلھے شاہؒ بعد نماز خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور صرف اپنا مدعا بیان کیا۔ حضرت شاہ عنایت نے انکار فرمایا تو حضرت بلھے شاہؒ نے اصرار کیا تو حضرت نے پانچ صد روپیہ نقد، پانچ صد روپیہ کا گھوڑا۔ طلائی کنگن کی ایک جوڑی اور لباس فاخرہ شام تک پیش کرنے کی شرط عائد کی کہ شام تک پیش کر دو تو خواہش پوری ہو سکتی ہے۔ حضرت بلھے شاہ غریب الدیار تھے (یہ واقعہ کتاب ''بلھے شاہ'' مؤلفہ محمد شریف گلزار ناشر فیروز سنز لاہور میں بھی لکھا ہوا ہے) کہ اسی پریشانی میں کہ میں یہ سب کہاں سے لاؤں مایوس ہو کر دریا راوی میں ڈوب مرنے جا رہے تھے کہ ایک نقاش پوش نے یہ سب چیزیں دے دیں اور خود غائب ہو گئے جو بابا بلھے شاہؒ نے حضرت کی خدمت میں پیش کر دیا۔

آپ فرمانے لگے میاں سید زادے بس اتنا حوصلہ تھا کہ ڈوب مرنے کے لئے تیار ہو گئے تھے۔ بلھے شاہ نادم ہوئے اپنے آپ کو حضرت کے سپرد کر دیا پاؤں میں گر پڑے۔ حضرت شاہ عنایت نے سینے سے لگا لیا۔ بیعت لی اور ولایت سے شرف یاب کر دیا۔ (ایسے بے سروپا خلاف شریعت قصے کہانیاں الف لیلیٰ کی طرح ایسی پاک باز ہستیوں کی طرف منسوب کرنا ان کی شایانِ شان نہیں بلکہ مذہبی اسلامی نظریہ کے بالکل خلاف ہے)

بلھے شاہ کے مرشد شاہ عنایتؒ اگر چہ قادری صوفی تھے۔ لیکن ان کو شطاری درویش حضرت رضا شاہ شطاری نے صوفیانہ عظمتوں سے روشناس کیا تھا۔ چنانچہ وہ قادری شطاری کے طور پر مشہور ہوئے ان کے مرید بلھے شاہ بھی قادری شطاری کہلائے۔

مرشد کی اهمیت

مرشد کا اصلی کام باطنی کلمہ کا بھید دینا اور روح کو اس کے شغل کا طریقہ کار بتانا ہے کیونکہ اس کلمہ کے بغیر پار اترنے کا کوئی ذریعہ نہیں۔ صوفیوں کا طریق یہ ہے کہ وہ خدا سے ملنے اور نجات پانے کے لئے ایک مرشد کا دامن پکڑتے ہیں تو انہیں خدا کی پہچان ہو جاتی ہے۔ اس اصلی رشتے کے

بعد وہ محسوس کرنے لگ جاتے ہیں کہ اب سچ مچ میں ملنے لگا ہے۔ دنیا کی برائیوں سے انہیں چھٹکارا مل رہا ہے۔ آہستہ آہستہ خدا کے راز کھلنا شروع ہو جاتے ہیں اور انسان اپنے بنانے والے کی خوبیوں کا بھیدی ہو جاتا ہے۔ اللہ کی ذات اس کی منزل بن جاتی ہے لیکن مرشد یا پیر کامل کے بغیر کوئی بھی منزل ہاتھ نہیں آتی ۔ مرشد کا دامن تھامنا خدائی رحمت کے دائرے میں داخل ہونا ہے۔ پنجابی کا عظیم شاعر وارث شاہ بھی مرشد کی اہمیت اس طرح بیان کرتا ہے۔

بناں مُرشداں راہ نہ ہتھ آوے

دُدھ باجھ نہ رجھدی کھیر سائیں

(مرشد کے بغیر ہدایت کا راستہ ہاتھ نہیں آتا، جیسے دودھ کے بغیر کھیر نہیں تیار ہوتی)

پنجابی زبان کے صوفی شاعر حضرت سلطان باہوؒ بھی مرشد کے بارے میں فرماتے ہیں۔

یہ تن میرا چشماں ہووے، میں مُرشد ویکھ نہ رَجاں ہُو

لُوں لُوں دے مُڈھ لکھ لکھ چشماں، اک کھولاں اک کجّاں ہُو

اتنا ڈٹھیاں دی صبر نہ آوے، ہور کتے ول بھجّاں ہُو

مُرشد دا دیدار ہے باہو، مینوں لکھ کروڑاں حجّاں ہُو

ترجمہ: اگر یہ میرا سارا جسم سراپا چشم بن جائے تو میں مرشد کا لگاتار دیدار کرتا رہوں اور ذوقِ دیدار سے سیر نہ ہو پاؤں۔ اگر میرے ہر مسام میں لاکھوں آنکھیں ہوں تو میں مرشد کو دیکھتا ہی رہوں۔ ایک کو کھولوں اور ایک کو بند کروں۔ اس کثرتِ دیدار کے باوجود صبر نہ آئے تو کس سمت بھاگوں۔ دیدارِ مرشد مجھے لاکھوں کروڑوں بار حج کرنے کے مترادف ہے۔

بلھے شاہؒ نے روحانی منزل کی رسائی کے لئے شاہ عنایتؒ کا دامن ایسا پکڑا کہ پھر کبھی نہ چھوڑا۔ بلھے شاہ کے کلام میں مرشد کے عشق اور اس کی تعریف میں عقیدت سے لبریز جو بیان ملتے ہیں ان میں مستی بھی ہے اور رنگینی بھی۔ وجد بھی ہے اور شکرانہ بھی۔ انہوں نے شاہ عنایتؒ کو ہدایت کرنے والا ہادی اور خدا سے وصال کروانے والا مرشد کامل کہا ہے۔ فرماتے ہیں۔

بلھے شاہ دی سنو حکایت
ہادی پھڑیاں ہوئی ہدایت
میرا مرشد شاہ عنایت
اوہو لنگھاوے پار!

(کلیات بلھے شاہ، ڈاکٹر فقیر محمد فقیر کافی نمبر 137)

ترجمہ :

بلھے شاہ کی حکایت (کہانی) سنو
مرشد کا دامن پکڑتے ہی ہدایت مل گئی
شاہ عنایت میرا مرشد (آقا، مالک) ہے
وہی مجھے پار لگائے گا

وہ اپنے مرشد کو سچا عارف، روح کا مالک اور لوہے کو سونا بنانے والا پارس ہے۔

بلھا شاہ عنایت عارف ہے
اوہ دل میرے دا وارث ہے
میں لوہا تے اوہ پارس ہے
تُسی اوسے دے سنگ کھسدے ہو

(کلیات بلھے شاہ۔ کافی نمبر 90)

میرا شیخ شاہ عنایت عارف کامل ہے۔ وہ میرے دلی ارادوں کا واقف ہے۔ جیسے پتھر پارس لوہے کو سونا بنا دیتا ہے۔ اس لحاظ سے وہ پارس ہے اور میں لوہا ہوں۔ (وہ مرشد کو سچا عارف، روح کا مالک اور لوہے کو سونا بنانے والا پارس ہے) انہوں نے مرشد کو سائیں، دلبر، سجن، یار، شوہ اور خصم کہہ کر اپنے عشقِ حقیقی کا اظہار کیا ہے۔

بُلھا شوہ دی ذات نہ کائی
میں شوہ عنایت پایا اے

(کلیات بلھے شاہ۔ کافی 10)

ترجمہ : اے بلھا! محبوب (اللہ) کی کوئی ذات نہیں ہے۔ مجھے میرا محبوب عنایت میں مل گیا ہے (اپنے مرشد شاہ عنایت میں اللہ کا جلوہ نظر آتا ہے)

جد میں سبق عشق دا پڑھیا
دریا ویکھ وحدت دا وڑیا
کمن گھیراں دے وچ اڑیا
شاہ عنایت لایا پار

(کلیات بلھے شاہ۔ کافی نمبر 79)

ترجمہ :جب مجھے اللہ سے محبت پیدا ہوئی تو میں نے وحدت کے دریا میں قدم رکھا اور کٹھن آزمائشوں میں گھر گیا تو میرے مرشد شاہ عنایت نے مجھے منزل مقصود پر پہنچایا۔

نہ تیرا اے نہ میرا اے
جگ فانی جھگڑا جھیڑا اے
بناں مرشد راہبر کیہڑا اے
پڑھ ''فاذ کرونی اذکر کم ''

ترجمہ :دنیا نہ تیری ہے نہ میری ہے۔ یہ فنا ہونے والی ہے اور جھگڑے فساد سے بھری ہوئی ہے۔ مرشد کے بغیر کوئی رہنمائی نہیں کرسکتا اس لئے قرآن پاک کی یہ آیت پڑھو۔ ''تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا۔''

بلھے شاہ کے لب پر ہر وقت مرشد شاہ عنایت کا نام جاری ہے۔

عنایت دم دم نال چتاریا
سانوں آ مل یار پیاریا

ترجمہ : ہر سانس کے ساتھ ہم نے شاہ عنایت کا نام لیا ہے۔ اے محبوب میرے پاس آ جا۔

بُلھا، شوہ سنگ پیت لگائی
جی جاٹے دی وتی سائی
مرشد شاہ عنایت سائیں
جس دل میرا ، برمایو رے

(کلیات بلھے شاہ، کافی نمبر 24)

ترجمہ : بلھے شاہ نے اپنے محبوب سے لو لگائی ہے۔ اور اس نے خود کو اس کے حوالے کر دیا ہے۔

میرا مرشد شاہ عنایت ہے جس نے میرا دل جیت لیا ہے۔

کافی نمبر 2 میں یہ اشعار یوں لکھے گئے ہیں

باھا شوہ سنگ پیت لگائی
سوہی بن تن سب کوئی آئی
وِنج کے شاہ عنایت سائی
بی میرن مجھ آئیو رے

☆☆☆

باھا! شوہ نے آندا مینوں عنایت دے بوہے
جس نے مینوں پوائے چولے ساوے تو سوہے

(کلام بلھے شاہ، مرتب سید نذیر احمد ص 27)

ترجمہ : اے بلھے شاہ، تجھے محبوب حقیقی نے شاہ عنایت کے در پر لا کھڑا کیا ہے۔ جس نے تجھے مختلف رنگوں (سبز اور سرخ) کے لباس میں ملبوس کر دیا ہے۔

ماپے چھوڑ لگی لڑ تیرے
شاہ عنایت سائیں میرے

لائیاں دی لج جان وے، ویہڑے آوڑ میرے

میں تیرے قربان وے ویہڑے آوڑ میرے

(کلیات بلھے شاہ۔کافی نمبر 32)

ترجمہ : اے میرے آقا شاہ عنایت! میں نے اپنے ماں باپ کو چھوڑ کر تیرے ہاں پناہ لی ہے۔تو میری محبت کی لاج رکھ لے اور میرے آنگن (صحن دل) میں آجا۔میں تجھ پر قربان ہو جاؤں۔میرے آنگن میں آجا۔

بلھا سائیں دے نال پیار

مہر عنایت کرے ہزار

ایہو قول تے ایہو قرار

(کلیات بلھے شاہ کافی نمبر 38)

ترجمہ : بلھے شاہ کو اپنے مالک (مرشد) سے پیار ہے۔میرا مرشد شاہ عنایت اسم بامسمیٰ ہے۔(عنایت کے معنی مہربانی، بخشش ہے)۔وہ مجھ پر ہزار مہربانی کرتا ہے۔یہی میرا قول اور قرار ہے۔

بنا مرشدوں کامل بلھیا

تیری ایویں گئی عبادت کیتی

(دوہڑہ۔31)

ترجمہ : مرشد کامل کی رہنمائی کے بغیر، بلھے شاہ تیری عبادت بیکار گئی۔

میں ویکھاں آ عنایت سائیں

جس مینوں شوہ ملایا اے

(کلیات بلھے شاہ۔کافی نمبر 114)

ترجمہ : میں اپنے مرشد شاہ عنایت کو دیکھوں جس نے مجھے اللہ سے ملایا ہے۔

آ بجن ، گل لگ اسا ڈے ، کیہا جھیڑا لا ئیو ئی
بلّھا شوہ گھر وسیا آ کے شاہ عنایت پائیو ئی

(کلیات بلّھے شاہ۔کافی نمبر 8)

ترجمہ : اے محبوب آ میرے گل لگ جا۔یہ کیا بحث وتکرار شروع کر رکھی ہے۔اے بلّھے شاہ! محبوب تو گھر میں بس گیا جب ہم نے شاہ عنایتؒ کو پا لیا۔

بلّھا شوہ دے لائق ناہیں
شاہ عنایت تاری

(کافی نمبر 126)

ترجمہ : اے بلّھے شاہ میں تو اپنے محبوب حقیقی کے لائق نہیں تھا۔مجھے میرے مرشد عنایتؒ نے پار کیا ہے۔(دریائے معرفت کو عبور کرایا ہے)

بلّھا شوہ عنایت کر کے شوق شراب دتوئی
بھلا ہوا اسی دوروں چھٹے نیڑے آن لدھوئی

(کلیات بلّھے شاہ کافی 98)

ترجمہ : اے بلّھے شاہ مجھ پر میرے مرشد نے خاص عنایت کی ہے اور مجھے شوق کی شراب کا پیالہ عطا کیا ہے۔یہ تو بہت ہی اچھا ہوا کہ زیادہ دور نہیں جانا پڑا اور نزدیک سے ہی ہمارا گوہر مقصود حاصل ہو گیا۔

عرش منور بانگاں ملیاں ، سنیاں تخت لاہور
شاہ عنات کنڈیاں پائیاں ،لگ چھپ کھچدا ڈور
پیر پیراں بغداد اساڈا ، مرشد تخت لاہور

(کلیات بلّھے شاہ۔کافی 118)

ترجمہ : مکہ اور مدینہ یا عرش معلیٰ پر اذانیں ہوئیں (حق کا آوازہ بلند ہوا) تو لاہور میں

بھی سی گئیں۔شاہ عنایتؒ نے ہمیں پھنسالیا جو چھپ چھپ کر ڈور کھینچتا ہے۔ ہمارا پیروں کا پیر تو بغداد میں ہے (یعنی عبدالقادر جیلانیؒ) لیکن ہمارا مرشد لاہور میں رہتا ہے۔(قادری صوفیوں کا تعلق بغداد کے صوفی درویش حضرت شیخ عبدلقادر جیلانی (1077ء تا 1166ء) سے ہے۔ان کو"پیرِ دستگیر یا پیرانِ پیر" کہا جاتا ہے۔)

بُلھا شوہ جے کرے عنایت
سبھ دکھ ہون نفیر

(کلیات بلھے شاہ۔کافی 120)

ترجمہ : اے بلھے شاہ! اگر میرا محبوب مجھ پر نظر عنایت کرے تو میرے تمام دکھ میرے غلام بن جائیں۔(دکھ ختم ہو جائیں)

حاجی مکّے جاہن میں مُکھ دیکھاں تیرا
آ عنایت قادری ، دل چاہے میرا

(کلیات بلھے شاہ۔کافی 128)

ترجمہ : لوگ حج کرنے مکہ کو جاتے ہیں۔لیکن میرے محبوب میں آپ کا مکھ دیکھ رہا ہوں۔ اے شاہ عنایت قادریؒ! اب بھی جایئے مرا دل یہی چاہ رہا ہے۔

ویکھو نی شوہ عنایت سائیں
میں نال کر دا کویں ادائیں

(کلیات بلھے شاہ کافی 149)

ترجمہ : دیکھو اے میرے دوستو! میرا محبوب مرشد شاہ عنایت مجھ سے کیا کیا ناز و ادا کر رہا ہے۔

جو کوئی اس نوں لکھیا چاہے
باجھ ویلے لکھیا نہ جائے

شاہ عنایت بھیت بتائے
تاں کھلے سب اسرار

(کلیات بلھے شاہ۔کافی 152)

ترجمہ : جوکوئی اس سے ملنا چاہیے، وسیلے کے بغیر نہیں مل سکتا۔یہ راز کی بات مجھے میرے مرشد شاہ عنایتؒ نے بتائی ہے اور تبھی مجھ پر یہ راز کی باتیں واضح ہوئی ہیں۔

میرے دکھ دی سنے حکایت
آ عنایت کرے ہدایت
تاں میں تاریاں

(اٹھوارہ۔ایت وار)

ترجمہ :اے کاش! کبھی وہ میرے دکھ کی بھی کہانی سننے آ گے اور مجھ پر عنایت کرتے ہوئے ہدایت سے نوازے۔تو میں کامیاب ہو جاؤں۔

شاہ عنایت دین اساڈا
دین دُنی مقبول اساڈا

(کافی۔164)

ترجمہ : شاہ عنات ہمارا دین ہے۔بلکہ دین اور دنیا میں ہمارا مقبول ترین ہے۔

میریاں آساں رب پچائیاں
میں تاں اُن سنگ اکھیاں لائیاں
سیاں دین مبارک آئیاں
شاہ عنایت آکھاں سائیاں
آساں پگیاں

(باراں ماہ۔ساون)

ترجمہ : میری امیدیں اللہ تعالیٰ نے پوری کی ہیں۔ میں نے تو اس کی ساتھ ہی اپنی آنکھیں لگا رکھی ہیں۔ دوست مجھے مبارکباد دینے آئے ہیں۔ میں شاہ عنایت کو کہہ رہا ہوں کہ اے میرے مالک تو نے ہی میری امیدیں پوری کی ہیں۔

مرشد کی اہمیت کے سلسلے میں دنیا کے عظیم صوفی مولانا رومؒ نے فرمایا تھا کہ شمس تبریز کا غلام بنے بغیر مولوی روم کبھی مولانا روم نہیں بن سکتا تھا۔

مولوی ہر گز نہ شُد مولائے روم
تا غلامِ شمس تبریزی نہ شُد

☆☆☆

س سائیں بن جاہ نہ کوئی
جِت وَل ویکھاں اوہی اوہی
ہور کِتے ول ملے نہ ڈھوئی
مرُشد میرا پار لنگھا وے

(سی حرفی)

ترجمہ : اس مالک حقیقی کے سوا میرا اور کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔ میں جس طرف بھی دیکھتا ہوں وہی دکھائی دیتا ہے۔ اور کسی کے ہاں بھی پناہ نہیں مل سکتی۔ بس میرا مرشد ہی مجھے پار لگائے گا۔

شِ شاہ عنایت مرشد میرا
جس نے کیتا میں وَل پھیرا
چُک گیا سب جھگڑا جھیڑا
ہن مینوں بھرماوے تاوے

(سی حرفی)

ترجمہ: حضرت شاہ عنایتؒ میرے مرشد ہیں۔ جنہوں نے میری جانب توجہ دی اور

میرے تمام جھگڑے جھیڑے (بحث وتکرار) ختم ہو گئے اب انہیں چاہیے کہ وہ مجھے بھرمائیں اور تڑپائیں۔

میں کمینی کُجی کوجھی بے گُن کون وچاری
بُلھا شوہ دے لائق ناہیں شاہ عنایت قاری

(کافی نمبر 126)

بُلھے شاہ نے اپنے مرشد شاہ عنایت کی ذات کو اپنی ذات کا بڑا درجہ سمجھا ہے اور اس کی ذات میں شامل ہونے کے اپنے لئے نجات کی وجہ جانا ہے۔ شاہ عنایت کی صحبت میں بُلھے شاہ نے ذات پات کی چھوٹائی بڑائی کو دل سے نکال پھینکا۔ خود کو عاجزی سے مرشد کا خادم اور نوکر کہلانا پسند کیا۔ مرشد کی عزت کی ایسی مثال بہت کم ملتی ہے۔

جو رنگ رنگیا گوہڑا رنگیا، مرشد والی لالی او یار (41)

ترجمہ: جس رنگ میں مجھے مرشد نے رنگ دیا ہے وہ بڑا گہرا ہے۔

رشتہ داروں کا طعنہ دینا

جب بُلھے شاہؒ کی حضرت شاہ عنایتؒ کے دست مبارک پر بیعت کی خبر آپ کے رشتہ داروں کو ہوئی۔ تو آپ کے خاندان کے لوگوں نے جنہیں گیلانی سیّد ہونے کا بڑا فخر تھا، سیّد بُلھے شاہؒ کو طعنہ دینا شروع کیا کہ آپ نے سیّد ہو کر ارائیں (ارائیں) کی بیعت یا مریدی اختیار کر کے اس طرح اولادِ علیؓ کا سر نیچا کر دیا ہے اور نبی ﷺ کی توہین کی ہے۔ اس شکایت کا سیّد بُلھے شاہؒ نے یہی جواب دیا کہ اگر ارائیں کی مریدی سے میری سادات کی توہین ہوئی ہے تو چلو میں سیّد ہی نہیں اور اس واقعہ کو رضائے الٰہی سمجھ کر صبر و شکر کریں۔ (شاکر ہو رضائیاں)۔ خدا اپنی بے پروائی میں جسے بھی چاہے عزت بخشے۔ کبھی وہ نیچ ذات والوں (کوجھیاں) کو شرف قبولیت بخشتا ہے اور کبھی وہ اونچی ذات والوں (سوہنیاں) کو اپنے سے دور رکھتا ہے۔ سید بُلھے شاہ اس واقعہ کو اپنے الفاظ میں اس طرح ادا کرتے ہیں۔ (42)

بُلّھے نوں سمجھاون آئیاں ، بھیناں تے بھرجائیاں

''بھرجائیاں'' کا لفظ ''بھیناں'' کی مناسبت اور شعر کی ضرورت سے بصورت جمع استعمال کیا گیا ہے۔اس سے مراد ہے کہ قریبی لوگ بھی سمجھانے کے لئے آئے۔یہ نہ خیال کیا جائے کہ آپ کی بھرجائیاں ایک سے زائد تھیں۔یا یہ کہ آپ کے بھائی کی دو بیویاں تھیں۔ویسے آپ کا بھائی بھی نہیں تھا۔اور زندہ صرف ایک بہن تھی۔

بُلّھے نوں سمجھاون آئیاں
بھیناں تے بھرجائیاں
''من لے بُلّھیا ساڈا کہنا
چھڈ دے پلا رائیاں (3 4)
آلِ نبیؐ اولاد علیؓ نوں
تو کیوں لیکاں لائیاں؟
''جیہڑا سانوں سیّد سدّے
دوزخ ملن سزائیاں
جو کوئی سانوں رائیں آکھے
بہشتی پینگاں پائیاں''
رائیں سائیں سبھنی تھائیں
رب دیاں بے پروائیاں
سوہنیاں پرے ہٹایاں
تے کوجھیاں لے گل لائیاں

ترجمہ : بُلّھے شاہ کو بہنیں اور بھاوجیں سمجھانے لگیں کہ تم آلِ نبیؐ اور اولادِ علیؓ سے ہو کر خاندان کو بٹہ لگا رہے ہو۔ ہمارا کہنا مانو اور ارائیں پیر (حضرت شاہ عنایتؒ) کا دامن چھوڑ دو۔

بلّھے شاہ نے جواب میں کہا جو مجھے سیّد کہہ کر پکارتا ہے۔اسے جہنم میں سزا ملے گی۔ جو کوئی مجھے ارائیں کہہ کر آواز دیتا ہے وہ جنت میں جھولا جھولے گا۔ خدا اپنی بے پروائی سے جسے بھی چاہے عزت بخشے۔اس کی نظر میں تمام یکساں ہیں۔کبھی وہ چھوٹی ذات والوں (کوجھیاں) کو شرف قبولیت بخشتا ہے اور کبھی وہ اونچی ذات والوں (سوہنیاں) کو اپنے سے دور کر دیتا ہے۔اس کے نزدیک وہی قابل عزت ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔

یاد رہے کہ مشہور کتاب "قانون عشق" مرتبہ انور علی رہتکی شائع شدہ 1309ھ میں یہ کلام درج نہیں ہے۔اس سلسلے میں "سلیم التواریخ" کے مصنف صوفی اکبر علی تحریر کرتے ہیں کہ جب بلّھے شاہ کی بیعت کا چرچا ہر طرف پھیل گیا کہ سادات کا چشم چراغ ایک ارائیں کا مرید بن گیا ہے تو بلّھے شاہ کے خاندان والے اسے ناراض ہو گئے۔لیکن بُلھے شاہ اپنی لگن سے پیچھے نہ ہٹا۔تو یہ شعر اس وقت کسی زندہ دل شخص نے اپنی طرف سے تیار کر کے مشہور کر دیئے۔(44) مگر غالب تعداد میں ان اشعار کو بلھے شاہ کا کلام ہی مانا گیا ہے۔

کلیات بُلھے شاہ مرتبہ ڈاکٹر فقیر محمد فقیر میں کافی 70 کے آخر میں مندرجہ ذیل اشعار اسی بات کو دہراتے ہیں۔

بُلھے شوہ دی ذات کیہ پچھدیں
شاکر ہو رضائیں دا
جے توں لوڑیں باغ بہاراں
چاکر رہو ارائیں دا (45)

ترجمہ :اس واقعے کو رضائے خداوندی سمجھ کر صبر شکر کرلیں۔بُلھے شاہ! تم کو اگر حقیقی راحت کی طلب ہے تو ایک ارائیں کے مرید (خادم، نوکر) ہو جاؤ۔(اپنے مرشد کی سربلندی قائم رکھنے کے لئے وہ سیّد ہونے کی بجائے آرائیں ہونے کو ترجیح دیتا ہے۔)

سید بُلھے شاہ کے دل پر اس طعن کا کچھ اثر نہ ہوا۔اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ آپ جس خدا رسیدہ

بزرگ کا پلا پکڑ چکے تھے اور فیض سے بہرہ ور ہو چکے تھے اسے کس طرح چھوڑتے وہ اپنے مرشد کے رنگ میں رنگے جا چکے تھے۔ ان کی توجہات نے آپ کو عرفان وجدان کی اعلیٰ وارفع منزل پر پہنچا دیا تھا۔ اور قلب روشن کر دیا یہاں تک کہ دل اور دماغ میں مرشد سے پیار اور محبت کا رشتہ اتنا قوی ہو گیا کہ رازِ خداوندی کھلنا شروع ہو گئے دل نورِ ایزدی سے منور ہو گیا۔

آپ کا دوہڑا نمبر 44 اسی ذات پات کی نفی کی غمازی کرتا ہے۔

بُلھے شاہ چل او تھے چلیے جتھے سارے ہوون انھے

نہ کوئی ساڈی قدر پچھانے نہ کوئی سانوں منّے

ترجمہ: اے بُلھے شاہ آؤ اب ہم ایسی جگہ جا کر رہیں جہاں سارے جاہل اور ناواقف، بے بصیرت لوگ بستے ہوں۔ تا کہ نہ تو کوئی ہماری قدر پہچان سکے اور نہ ہی کوئی ہمارا عقیدت مند ہو۔

بلھے شاہ قصور میں

مرشد نے حضرت بُلھے شاہؒ کو قصور کی ہدایت فرمائی مگر آپ کی خواہش یہ تھی کہ وہ اپنے مرشد کے پاس رہیں اور اپنے گاؤں میں رہ کہ اپنے مرشد کو روزانہ مل کر واپس گھر آیا کریں۔ اب قصور جانے کا حکم ملا جو لاہور سے تقریباً چالیس میل کے فاصلہ پر واقع ہے جانا! پھر وہاں مستقل طور پر رہنا مشکل نظر آرہا تھا، اس لئے اداس اور پریشان تھے۔

مرشد کی آپ کو قصور بھیجنے میں بہت سی مصلحتیں مدِ نظر تھیں۔ قصور کے لوگ بے دین، عیاش اور سرکش قسم کے تھے، درویشی کے قائل نہ تھے۔ قصور بداعتدالی اور لاقانونیت کا مرکز بن چکا تھا۔ وہاں کے لوگ ظالم اور کسی سائل کو صدقہ وخیرات تک نہ دیتے تھے۔ ان کی اصلاح ضروری تھی۔ اس کے علاوہ اور مقاماتِ سلوک طے کرانا چاہتے تھے جو ہجر اور فراق کی وجہ سے طے ہوتے ہیں پھر مریدِ صادق کی اطاعت شعاری کا امتحان لینا بھی مقصود تھا مگر آپ اپنے مرشد کے سچے عاشق اور جاں نثار تھے۔ تھوڑی دیر کی بھی جدائی منظور نہ تھی۔ آخر آپ اپنی ہمشیرہ کے ساتھ لے کر قصور روانہ ہو گئے ۔ یہاں یہ بیان کرنا بے محل نہ ہو گا کہ آپ کی دو بہنیں اور والدین ''پانڈوکے'' میں

انتقال پا گئے تھے اور وہاں ہی دفن ہیں۔مستانہ صاحب کی اولادان مزاروں کی نگران ہے۔اب صرف ایک بڑی ہمشیرہ تھی جن کو ساتھ لے کر آپ قصور میں تشریف لے آئے۔

شہر سے باہر ایک تالاب کے کنارے ڈیرا جمالیا۔یہ تالاب آج کل ریلوے سٹیشن کے قریب ہے۔آپ کے دو شاگرد حافظ جمال اور سلطان احمد مستانہ بھی ساتھ تھے۔قصور کے نام کے بارے میں روایت ہے کہ یہ قصر کی جمع ہے چونکہ قصور میں بہت سے قصر یعنی محلات ہیں، جو اس شہر کو آباد کرنے والے پٹھانوں نے تعمیر کئے اس لئے اس شہر کا قصر کی نسبت سے قصور پڑ گیا۔قصور کے آٹھ پختہ مغلیہ طرز تعمیر کے دروازے ہیں۔پرانے شہر کے گرد کہیں کہیں اب بھی فصیل کے نشانات نظر آتے ہیں۔

قصور کے بارے حضرت بُلھے شاہ فرماتے ہیں۔

بُلھیا! قصور بے دستور اوتھے جانا بنیاں ضرور (46)

نہ کوئی پُن نہ دان ہے ! نہ کوئی لاگ دستور

ترجمہ : بُلھیا قصور کے لوگوں کا کوئی اصول نہیں ہے۔لیکن وہاں (مُرشد کے حکم سے) مجھے ضرور جانا پڑا ہے۔وہاں نہ کوئی نیک کام کرتا ہے، نہ کوئی سخاوت کرتا ہے اور نہ وہاں کوئی آئین یا دستور نافذ ہے۔

ایک اور جگہ اظہار کرتے ہیں۔

بُلھا قصر نام قصور ہے اوتھے مونہوں نہ سکن بول (47)

اوتھے سچے گر دن ماریئے اوتھے جھوٹے کرن کلول

ترجمہ: اے بُلھیا! قصور گھٹیا نام ہے۔یہاں زبان بندی کا دستور ہے۔یہاں سچے کی گردن اڑاتے ہیں۔اور جھوٹے مشٹنڈے دندناتے پھرتے ہیں۔

مرشد کے حکم پر بہر حال وہ قصور ہی کے ہو رہے۔ان کا مزار آج بھی قصور کی سب سے زیادہ مشہور جگہ ہے۔ایک شعر میں آپ اپنی سید برادری کو خطاب کرتے ہیں جو اُچ میں رہائش پذیر تھی۔

تسیں وچ اُچ دے اُچے او، اسیں وچ قصور قصوری آں

شاہ عنایت دے باغ بہاراں، اسیں اوہدے وچ لسوڑی آں

مطلب یہ ہے کہ تم اُچ میں سر بلند ہو تو رہو ہم قصور میں قصوری ہیں اور شاہ عنایتؒ کے باغ و بہار میں ہماری حیثیت لسوڑی کے درخت کی ہے۔(لسوڑی کا درخت پھل دار درختوں میں کم تر شمار کیا جاتا ہے۔اور یہ پھل عام طور پر دوائیوں اور اچاروں میں استعمال ہوتا ہے)۔لفظ قصوری ذو معنی ہے ایک تو یہ کہ قصور شہر کا رہنے والا اور دوسرے یہ کہ مجھ کو اپنی کمی کا اعتراف ہے۔مذکورہ بحث کا حاصل یہ ہے کہ قصور کو آپ کا ثانوی وطن کہا جا سکتا ہے۔

یہ مصرعہ بھی آپ سے منسوب ہے۔

اوکاں وچ قصور ہوندا

اساں وچ قصوراں وسدے

نیکی خوش بو کی طرح پھیلتی ہے، حضرت بلھے شاہ کے محاسن کا بھی چرچا ہونے لگا۔آپ بیشتر وقت عبادت الہیٰ میں گزارتے، گریہ زاری کرتے رہتے اور اکثر خاموش رہتے۔پھر لنگر کا انتظام ہو گیا اور محفل سماع بھی گرم رہنے لگی جس سے عقیدت مندوں کا ہجوم لگا رہتا تھا۔

منہ بولی ماں

''آہستہ آہستہ حضرت بلھے شاہ کی شہرت قصور کے حکمران پٹھانوں کے ایوانوں تک جا پہنچی۔محلات میں ایک ادھیڑ عمر بیوہ تھیں۔وہ بڑے اہتمام کے ساتھ قیمتی تحائف لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔حضرت بلھے شاہ عالمِ شباب میں تھے، مردانہ جمال سے چہرہ دمک رہا تھا۔خاتون دل ہی دل میں فریفتہ ہو گئیں۔

آپ ان کی قلبی کیفیت کو پا گئے۔جب وہ سامنے آئیں تو آپ نے منہ پھیر لیا۔وہ اس طرف ہوئیں تو آپ نے رخ دوسری طرف کر لیا۔اس پر خاتون نے بے اعتنائی کی وجہ پوچھی اور ساتھ ہی اپنا حسب نسب فخر کے ساتھ بیان کیا۔آپ نے فرمایا، آپ کا نذرانہ اس وقت قبول ہو گا جب

آپ مجھے اپنا بیٹا سمجھیں اور میں آپ کو والدہ کہوں۔ خاتون کا دل صاف ہو گیا اور اس نے برملا کہا کہ میں تمہاری ماں اور تم میرے بیٹے۔

منہ بولی ماں نے بیٹے کا باہر رہنا گوارا نہ کیا۔ اندرون شہر آپ کے لئے شان دار دو پختہ مکانات تعمیر کروائے اور آپ نے وہاں رہائش اختیار کر لی مگر آپ صرف ایک حجرہ میں قیام کرتے تھے۔ باقی جگہ مریدوں کے تصرف میں تھی۔ باہر ڈیرے کے لئے بھی ایک مربعہ زمین مل گئی۔ جہاں آپ حاضرین کو نصیحتیں فرماتے۔ حاجت مندوں کے لئے دعائیں مانگتے اور سماع سے محظوظ ہوتے۔ قوالی کی محفلیں خوب دھوم دھام سے جمتیں۔ دھمالوں کا بھی زور ہوتا۔ دل غنی تھا اس لئے ڈیرے پر لنگر بھی جاری رہتا۔" (بلھے شاہ۔ محمد شریف گلزار ص 35-36)

ایذا رسانی

بلھے شاہ نے مرشد کے کہنے پر شہر قصور کی راہ لی تا کہ وہاں جا کے لوگوں کو ہدایت دی جائے۔ آپ نے وہاں کے بدمزاج لوگوں کو ہر طرح راضی رکھنے کی کوششیں کیں۔ لوگوں میں اکھڑ پن، جھوٹ اور ناقدری کی عادت تھی۔ بلھے شاہ کی سچی اور کھری باتوں سے قصور کے بڑے بڑے لوگ بہت ناراض ہوئے۔ لیکن عام لوگ بہت راضی تھے۔ یوں چاہنے والوں کی تعداد ہر روز بڑھنے لگی اس سے قصور کے مولویوں اور شرع پسند حاکم طبقے کو بہت جلن ہوئی۔ انہیں بلھے شاہ کی کھلی طبیعت، آزاد خیالی اور قوالی بازی انہیں آنکھ نہ بھاتی۔ اس لئے وہ بلھے شاہؒ کے خلاف فتوے لینے لگے تو آپ نے فنکارانہ چوٹ کی۔

بلھیا عاشق ہو یوں رب دا ملامت ہوئی لاکھ
لوگ کافر کافر آکھدے تو آہو آہو آکھ

(دوہڑہ نمبر 15)

ترجمہ: "بلھے شاہ تو رب کا عاشق بنا تو تجھے لاکھ ملامت کا سامنا کرنا پڑا۔ لوگ تجھے کافر کہتے ہیں تو پرواہ نہ کر بلکہ ہاں کہتے جاؤ"۔

ایک دن حسب معمول قوالی ہو رہی تھی کہ مخالفین کا ایک گروہ فساد پر اتر آیا۔ ایک روایت کے مطابق ان میں سے ایک شخص نے آپ پر تیر چلایا، جس سے دستار ایک جگہ سے کٹ گئی۔ آپ مستی کے عالم میں تھے، منہ سے یہ بول نکلے۔

کھڑکاں چک جُلاہے آئے
ہن کیہ کراں نی میریئے مائے

ترجمہ : کپڑا بننے والے جلاہے اپنا ہتھیار لے کر آ گئے ہیں۔ میری اماں اب میں کیا کروں۔

اس ابتری میں محفل سماع درہم برہم ہو گئی اور لوگ گھروں کو چلے گئے لیکن یہ ایذا رسانی اپنا رنگ لائی۔ کچھ عرصہ بعد مقامی رئیسوں (48) کی جاگیریں ضبط ہو گئیں اور وہ پارچہ بافی (کپڑا بُننے) اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اب تک ان کا یہی پیشہ چلا آ رہا ہے۔

کہتے ہیں آپ سے کرامات ظاہر ہوئے۔

حضرت بلھے شاہؒ نے ساری زندگی زاہد و تقویٰ میں بسر کی۔ انہوں نے عمر بھر شادی نہیں کی۔ اسی طرح آپ کی ہمشیرہ محترمہ نے بھی شادی نہیں کی۔ بلکہ تمام عمر آپ کے ساتھ رہیں۔

آپ کا معمول تھا جب عبادت سے فارغ ہوتے اپنے حجرے میں آ کر قیام کرتے۔ عقیدت مند لوگ بھی حاضر ہو جاتے۔ آپ تبلیغ و ہدایت سے لوگوں کے دلوں کو نوازتے رہتے تھے۔ آپ ''فنا فی الشیخ'' کے مقام میں ہر وقت بے خود رہتے تھے۔ چنانچہ ایک مقام پر مرشد کے عشق میں بے خود ہو کر ان کو ''ٹھگ لاہور'' کہہ جاتے ہیں۔

دے دیدار ہویا جد راہی
اچن چیت پئی گل پھاہی
ڈاڈھی کیتی بے پرواہی
مینوں مل گیا ٹھگ لاہور

(کلیات بلھے شاہ کافی 143)

ترجمہ : محبوب نے جب دیدار دے کر اپنی راہ لی تو اچانک میرے گلے میں پھندا سا پڑ گیا۔ اس نے بے پروائی کی حد کر دی۔ مجھے گویا لاہور کا ایک ٹھگ مل گیا۔ (مراد حضرت شاہ عنایت قادریؒ لاہوری)

یہاں تک کہ وہ یہ بھی کہہ جاتے ہیں۔

بلھیا پی شراب تے کھا کباب
ہیٹھ بال ہڈاں دی اگ
چوری کر، تے بھن، گھر رب دا
اوس ٹھگاں دے ٹھگ نوں ٹھگ

(دوہڑہ۔20)

ترجمہ : اے بلھے شاہ! تو وحدت کی شراب پی اور اپنی خودی کا کباب عشق کی چنگاری سے اپنی ہڈیوں کی آگ سلگاؤ۔ (عبادت میں ریاضت کرو) اور اللہ کے گھر میں نقب لگاؤ اور معرفت ربی کا خزانہ لوٹ لو۔ وہ رب جو مہا ٹھگ ہے تم اسے ٹھگ لو۔

شاہ عنایت قادریؒ کا بلھے شاہ سے ناراض ہونا

کہا جاتا ہے کہ ایک بار مرشد بلھے کی شریعت (مذہب کی ظاہر پرستی) سے کھلی بغاوت کی وجہ سے ناراض ہو گئے تھے۔ بلھے شاہ نے کہا تھا۔

پھوک مصلیٰ بھن سٹ لوٹا
نہ پھڑ تسبیح کاسہ سوٹا
عاشق کہندے دے دے ہو کا
ترک حلالوں کھا مُردار
عشق دی نویوں نویں بہار

(کلیات بلھے شاہ کافی 76)

ترجمہ : مصلّے جلادو، وضو کا لوٹا توڑ دو، تسبیح، کاسہ اور سوٹا مت پکڑو۔ عاشق برملا کہہ رہے
یں کہ حلال کو چھوڑ کر مردار کھاؤ۔ (سیدھے راستے اور مخالف سمت قبول کرنے کے لئے) محبت
لی عملداری ہی ہمیشہ نئی اور تروتازہ ہے۔

جاں میں سبق عشق دا پڑھیا
مسجد کولوں جیوڑا ڈریا
ڈیرے جا ٹھاکر دے وڑیا
جتھے وجدے ناد ہزار
عشق دی نوئیوں نویں بہار

(کافی نمبر 76)

ترجمہ : جب میں نے محبت کا سبق پڑھا۔ تو میری ذات میں مسجد کا خوف سا گیا۔ پھر میری
ات مندر کے کے احاطے میں داخل ہوئی ۔ جہاں ہزاروں گھنٹیاں بج اٹھتی ہیں ۔ محبت کی
ملداری ہی ہمیشہ نئی اور تازہ ہے۔

ذید قرآناں پڑھ پڑھ تھکے
سجدے کر دیاں گھس گئے متھے
نہ رَب تیرتھ ناں رَبّ مکّے
جس پایا تس نور انوار

(کافی نمبر 76)

ترجمہ ۔ ہم وید اور قرآن پڑھ پڑھ کر تھک گئے تھے۔ جبینیں گھس گئیں تھیں اور عبادت
ائع ہو رہی تھی۔ خدا نہ تو مقدس جگہوں میں ہے نہ مکہ میں ۔ جس نے بھی اس کو جان لیا یا جس کو
ی اس کا عرفان ہو گیا۔ وہ اس کی نورانی و درخشندگی میں ڈوب گیا۔ محبت کی عملداری ہمیشہ نئی اور
زہ ہے۔

انہوں نے اسی قسم کے خیالات کا اظہار ایک دوہڑہ میں اس طرح کیا ہے۔

بلھے نوں لوک متیں دیندے بلھیا توں جا بوہ مسیتی

وچ مسیتاں کیہ کجھ ہندا جے دلوں نماز نہ نیتی

باہروں پک کیتے کیہ ہندا جے اندروں نہ گئی لیتی

بن مرشد کامل بلھیا تیری اینویں گئی عبادت کیتی

(دوہڑہ 31)

ترجمہ: لوگ بلھا سے کہتے ہیں کہ تو مسجد میں جا کر بیٹھ جا۔اگر دل عبادت کی طرف مائل نہیں تو مسجد میں جانے کا فائدہ کیا ہے۔کیا فائدہ ہے ایسے نہانے سے اگر باطن کی گندگی دھل نہ پائے۔اے بلھے شاہ تیری عبادت بے مقصد ہے اگر تجھے کوئی مرشد کامل نہیں مل پایا۔

بھٹھ نمازاں تے چکڑ روزے کلمے تے پھر گئی سیاہی

بلھے شاہ شوہ اندروں ملیا بھلی پھرے لوکائی

(دوہڑہ 27)

ترجمہ: عبادت (نماز) کو آگ میں جھونک دے، روزوں کو مٹی (کیچڑ) میں ڈال دے۔کلمہ پر اندھیرا اچھا گیا ہے۔میرا خدا میرے باطن میں ہے! بلھا کہتا ہے اس نے اسے پالیا ہے۔لوگ بے حاصل تجسس میں ہیں۔

نہ خدا مسیتے لبھدا نہ خدا وچ کعبے

نہ خدا قرآن کتاباں نہ خدا نمازے

ترجمہ: خدا نہ تو مسجد میں ملتا ہے نہ ہی خانہ کعبہ میں۔نہ خدا کتاب قرآن میں ہے اور نہ ہی نماز میں۔

شاہ عنایت جو اپنے مرید کو ایک روحانی نظم وضبط میں بندھا دیکھنا چاہتے تھے۔اس کے باغیانہ اظہار خیالات کی وجہ سے ناراض ہو گئے۔بلھا نے اپنے مرشد کی ہدایت پر کوئی دھیان نہ دیا۔

ناںچہ مرید کا مرشد کی قیام گاہ پر آنا ممنوع قرار دیدیا گیا۔ بہت ہی قلیل عرصہ میں بلھے کی حالت
رشد کے بغیر ایک ماہیء بے آب کی سی ہوگئی۔ مرید نے مرشد کے عالمِ فراق میں اپنے اندر ایک
حانی کمی کا سا احساس پانا شروع کر دیا۔ یہ صورتِ حال جب نا قابلِ برداشت ہوگئی تو روحانی
یت کے عالم میں بلھے شاہ نے اسی طرح اپنی کیفیت کا اظہار کیا۔

جھیتی بوڑھیں وے طبیا نہیں تے میں مر گئی آ
تیرے عشق نچایا کر تھیا تھیا
چھپ گیا وے سورج باہر رہ گئی آ لالی
ہو آں صدقے میں تیرے دیویں مڑ جے وکھالی
میں بھل گئی آ ترے نال نہ گئی آ
تیرے عشق نچایا کر تھیا تھیا

(کافی نمبر 29)

ترجمہ : لوٹ آ عجلت کے ساتھ! اے میرے چارہ گر! میں پژمردہ ہوا جا رہا ہوں
تیری محبت نے مجھے مستانہ وار رقصِ بسمل میں مبتلا کر دیا ہے
سورج غروب ہو گیا ہے۔ لیکن ابھی تک سرخی باقی ہے
میں تجھ پر صدقے ہو جاؤں گا اگر تو میری نظروں کے سامنے لوٹ آئے ایک بار پھر میں تجھ
سے بچھڑ کر ایک شدید ترین غلطی کا مرتکب ہوا ہوں۔
تیری محبت نے مجھے مستانہ وار رقصِ بسمل میں مبتلا کر دیا ہے۔

بلھے شاہ نے اپنے مرشد شاہ عنایت کی مہر و محبت دوبارہ پانے کے لئے ایک منصوبہ ترتیب دیا۔
ہوں نے شاہ عنایت کو خوش کرنے کے پیش نظر محفل سماع آراستہ کرنے کے لئے موسیقی و رقص
یکھا، سماع ہندوستان میں قوالی کے نام سے مشہور ہے۔ اسلام میں موسیقی کی ممانعت ہے۔ لیکن
ثتیہ سلسلہ کے صوفیاء کے یہاں اس کی اجازت ہے وہ موسیقی کی تقریبات منعقد کرتے ہیں۔

اپنے منصوبے کے مطابق بلھانے گانا اور رقص کرنا شروع کر دیا جس راہ سے ہر روز شاہ عنایت نماز کے لئے مسجد کو جایا کرتے تھے۔ وہ نہایت سریلی آواز میں گاتا۔

بھانویں جان نہ جان وے ویہڑے آوڑ مرے

میں تیرے قربان وے ویہڑے آوڑ مرے

تیرے جیہا مینوں ہور نہ کوئی، ڈھونڈاں جنگل بیلا روہی

ڈھونڈاں تاں سارا جہان وے ویہڑے آوڑ مرے

ماپے چھوڑ لگی لڑ تیرے، شاہ عنایت سائیں

لائیاں دی لج جان وے ویہڑے آوڑ مرے

(کلیات بلھے شاہ کافی نمبر 32)

ترجمہ: چاہے تو مجھے قبول کرے یا نہ کرے لیکن مرے آنگن میں آ جا۔ میں تیرے قربان، تیرے صدقے میرے آنگن میں آ جا۔ میرے لئے تیرے جیسا کوئی اور نہیں۔ میں نے صحرا و بیاباں چھان مارے۔ ساری دنیا دیکھ ڈالی تو میرے صحن کے اندر آ جا۔ مجھ میں سما جا۔

اے میرے آقا شاہ عنایت! میں نے اپنے ماں باپ (تمام رشتہ داروں) کو چھوڑ کر تیرے ہاں پناہ لی ہے۔ تو میری محبت کی آبرو رکھ لے اور میرے صحن کے اندر آ جا۔

یہ بھی کہا کہ:

وَت نہ کرساں مان رنجھیٹے یار دا وے اڑیا

اَج اجو کڑی رات میرے گھر وَس کھاں وے اڑیا

دلدیاں گھنڈیاں کھول اساں نال ہس کھاں وے اڑیا

(کافی نمبر 146)

ترجمہ: اے میرے محبوب رانجھا! میں پھر کبھی بھی تم پر فخر نہ کرسکوں گا۔

اے میرے محبوب کر لے قیام اس رات میرے گھر کے اندر

بھر پور مسکراہٹوں سے مجھے اپنے دل کے رازوں کا راز دار بنا لے

اے میرے محبوب!!

بلھے شاہ کے اس شاعرانہ اندازِ خطابت نے مسجد سے واپسی پر شاہ عنایت کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی۔ آواز کا لب و لہجہ پہچانتے ہوئے مرشد نے پوچھا! کیا تم بلھے ہو؟ مرید جو اپنے مرشد کی زبان سے بات سننے کا نہایت بے صبری سے منتظر تھا۔ بولا! میرے مالک میں بلھا نہیں، بُھلا ہوں! بھلا کا مطلب نادم یا شرمندہ یا بھولا بھٹکا ہے۔ مرید کو وہیں کے وہیں اس کی لغزش اور بھول چوک پر مرشد نے معاف کر دیا اور پھر سے وہ اپنے مرشد کے دامنِ عاطفت میں آ گیا۔ وہ اپنے مالک کے قدموں پر گر گیا جس نے اسے محبت و مہربانی کے ساتھ بغل گیر کر لیا۔ اس کیف و مستی کے عالم میں بلھا یوں نغمہ سرا ہوا۔

آوٗ سیئے رَل دیہونی ودھائی

میں بر پایا رانجھا ماہی

اَج تاں روز مبارک چڑھیا

رانجھا ساڈے ویہڑے وڑیا

ہتھ کھونڈی موہڈے ، کمبل دھریا

چاکاں والی شکل بنائی

(کلیات بلھے شاہ کافی 19)

آؤ اے دوستو! مجھے مبارک باد دو

میں نے اپنے محبوب رانجھا کی حقیقت کو جان لیا ہے

مقدس دن کا سویرا ہو گیا ہے جب رانجھا میرے صحنِ دل میں،

ایک عصا ہاتھ میں ایک کمبل کاندھے پر ڈالے ہوئے

ایک چرواہے (رکھوالے) کی صورت میں رونما ہوا ہے

مطیع الرحمٰن نے اپنی تصنیف "تذکرہ بلھے شاہ" میں مرشد کے ناراض ہونے کا سبب کچھ اور بتایا ہے۔ اس کا لب لباب یہ ہے کہ

حضرت بلھے شاہؒ کو اپنے محترم استاد مولانا حافظ غلام مرتضٰی سے بھی خاصا لگاؤ تھا اور ان کی خدمت بھی عین سعادت سمجھتے تھے۔

ایک بار حافظ صاحب کی ایک دختر نیک اختر کی تقریب عروسی تھی۔ حضرت بلھے شاہ بھی مدعو تھے۔ آپ کو مہمانوں کی خدمت پر مامور کیا گیا۔ شاگرد کی حیثیت سے آپ نے جملہ انتظامات میں نہایت خلوص اور تن دہی سے حصہ لیا۔ مہمانوں کی اتنی کثرت تھی کہ ایک لمحہ کی بھی فرصت نصیب نہ ہوئی۔

اتفاق سے اس دن آپ کے روحانی مرشد حضرت شاہ عنایت لاہوری کے حقیقی بھتیجے اور داماد مولوی ظہور محمد صاحب خاص طور پر لاہور سے ملنے آئے۔ مولوی ظہور محمد صاحب اپنے خسر سے روحانی سلسلہ تلمذ بھی رکھتے تھے اور اس لحاظ سے حضرت بلھے شاہ کے پیر بھائی بھی تھے۔

حضرت بلھے شاہ کو مہمان خصوصی کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اپنے ایک درویش کو ہدایت کی کہ ان کی خاطر مدارات میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی جائے اور فرمایا کہ مہمانوں سے فارغ ہو کر میں ان کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔

اتفاق سے حضرت بلھے شاہ تمام رات شادی کے کام سے فرصت نہ پا سکے۔ ادھر مولوی ظہور محمد صاحب اپنی جگہ ہمہ تن منتظر رہے۔ باہمی التفات کی بنا پر انہیں پوری توقع تھی کہ حضرت بلھے شاہ ضرور ملنے آئیں گے مگر وہ نہ آئے تو قدرتی طور پر مولوی ظہور محمد مایوس ہو گئے۔

صبح ہوئی تو مولوی ظہور محمد صاحب بلا اطلاع لاہور واپس چلے گئے۔ اور اپنے خسر سے حضرت بلھے شاہ کی بے اعتنائی کی شکایت کی اور یہ تاثر دیا کہ انہوں نے غرور و تکبر کی وجہ سے مجھ سے ملنا کسر شان سمجھا۔ حضرت شاہ عنایت نے بھی اپنے چہیتے شاگرد کی غیر متوقع بے رخی کو سخت ناپسند کیا اور جلالت میں آ کر حضرت بلھے شاہ کو اپنے روحانی فیض سے محروم کر دیا۔

حضرت بلھے شاہ نے فوراً محسوس کر لیا کہ ان کا دامن مرشد کے فیض سے خالی ہو چکا ہے۔ چنانچہ آپ نے شادی کے کام دھندوں کو چھوڑا، اپنے ڈیرے پر آئے، درویشوں کو جمع کیا اور مستانہ سے خفا ہوئے کہ مہمان کو جانے سے کیوں نہ روکا۔ انہوں نے بتایا کہ وہ نور کے تڑکے ہی کسی کو خبر دیے بغیر چلے گئے۔ حضرت بلھے شاہ نے اپنے ڈیرے کا انتظام مستانہ کے سپرد کیا اور قصور کو کچھ عرصہ کے لئے خیر باد کہہ دیا۔

بڑی دقتوں کے بعد آپ اپنے مرشد عنایت کے شطاری سلسلہ کے بزرگ شیخ محمد غوث گوالیاری کے مقبرہ پر حاضر ہوئے جو قلعہ گوالیار میں واقع ہے اور قریب ہی ہند کے نامور راگی تان سین کا مرقد بھی ہے۔ خواب میں آپ کو شیخ محمد غوث گوالیاری کی زیارت ہوئی جنہوں نے آپ کو عرفان کی دولت بخشی اور تان سین کی قبر پر بیری کے ڈھائی پتے کھانے کی ہدایت فرمائی۔

صبح آپ نے حسب فرمان تان سین کی قبر پر درخت سے پتے کھائے جس سے آپ میں موسیقی کا کمال پیدا ہو گیا۔ اور آپ کی طبیعت کو سکون حاصل ہوا۔

گوالیار سے آپ قصور آئے اور ایک دن بغیر کہے لاہور چلے گئے، وہاں ان قوالوں سے ملے جو حضرت شاہ عنایت کی محفل میں عارفانہ کلام گایا کرتے تھے۔ آپ نے انہیں بتایا کہ آپ مغنیہ کے بھیس میں اپنے پیر کی بارگاہ میں رسائی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

قوالوں نے حضرت شاہ عنایت سے (بطور فرضی) ہندوستانی مغنیہ بلھے شاہ کے فنِ موسیقی کی بہت تعریف کی اور اس کا فن پیش کرنے کی اجازت چاہی، حضرت شاہ عنایت بولے، ہم اس مغنیہ کو خوب جانتے ہیں اور جمعہ کے دن سماع کی اجازت دے دی۔

حضرت بلھے شاہ بہت خوش ہوئے۔ جمعہ کے روز آپ نے مغنیہ کا بھیس بدلا اور قوالوں کے ساتھ مرشد کی محفل میں جا پہنچے۔ مرشد کے فراق میں آپ نڈھال ہو چکے تھے۔ قدم بوسی کی تمنا نے بے کل کر دیا تھا۔ جن مصائب کے ساتھ روٹھے پیر کو منانے کے لئے ہندوستان کا سفر کیا تھا اس سے آتشِ شوق اور بھی بھڑک اٹھی تھی۔

اس پر موسیقی کے فیض نے کلام میں سوز و درد کوٹ کوٹ کر بھر دیا اور بول کو جادو اثر بنا دیا تھا۔ پھر مرشد کو جلد از جلد منانے کے خیال بھی دل میں چٹکیاں لے رہا تھا لہٰذا آپ نے ایسے درد بھرے لہجے میں گانا شروع کیا کہ ساری محفل تحسین و آفرین کی صداؤں سے گونج اٹھی۔ خود سازندوں نے بھی دل کی اس قدر گہرائیوں سے نکلے ہوئے بول کبھی نہیں سنے تھے۔

آپ نے محفل کا یہ رنگ دیکھا تو آپ اصل مقصد کی طرف آئے اور اپنی مشہور کافی گانا شروع کر دی۔

چھیتی بوہڑیں وے طبیبا نہیں تاں میں مر گیاں

تیرے عشق نچائیا کر کے تھیا تھیا

جب آپ کافی گا چکے تو حضرت شاہ عنایت نے مغنیہ سے پوچھا "تو بلھا ہے"۔ آپ نے کہا "اوئے تُوں بُلھا ایں"

"نئیں سرکار میں بُھلا واں" (ارے تم بلھا ہو؟ جی نہیں میں بھولا ہوں) میں بلھا نہیں بھلا ہوں یعنی بھولا بھٹکا ہوا ہوں۔ (49)

پیر نے آپ کو گلے سے لگا لیا، معرفت کا چھینا ہوا خزانہ واپس کر دیا اور کہا کہ اب یہ تمہاری مستقل دولت ہے۔ اسے کوئی نہیں چھینے گا۔ خرقۂ خلافت پانے کے بعد مرشد کی ہدایت پر قصور منتقل ہو گئے۔ ساری عمر مرشد کے حد سے زیادہ گرویدہ رہے۔ یہاں تک کہ مرشد کی خاطر آپ نے گھر اور گھر والوں سے قطع تعلق کر لیا۔ وہ عمر بھر اپنے مرشد کی اطاعت کرتے رہے۔

شاہ عنایت قادری شطاریؒ کی اصل شہرت ان کی پیری فقیری سے زیادہ بلھے شاہ سے تعلق کی بدولت ہے جسے وہ انتہائی رفعت پر لے گیا تھا۔ دوسرے لفظوں میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ قصور کے سید نے تخت لاہور کے ارائیں کو بلند و برتر بنا دیا۔

ڈاکٹر لاجونتی (50) رام کرشنا اپنی کتاب Panjabi Sufi Poets میں سید بلھے شاہؒ کے مرشد کی ناراضگی کا سبب یہ بتاتی ہیں کہ بلھے شاہ شریعت کے خلاف عام طور پر کھلے انداز میں شعر کہہ جاتے ہیں مثلاً

بلھے نوں لوک متیں دیندے بلھیا توں جا بہہ مسیتی
وچ مسیتاں دے کیہ کجھ ہندا جو دلوں نماز نہ نیتی
باہروں پاک کیتے کیہ ہندا جواندروں گئی نہ پلیتی
بن مرشد کامل بلھیا ، تیری اینویں گئی عبادت کیتی

(دوہڑانمبر31)

بھٹھ نمازاں تے چکڑ روزے ، کلمے تے پھر گئی سیاہی
بلھا شاہ ، شوہ اندروں ملیا، بھلی پھرے لوکائی

(دوہڑانمبر27)

ترجمہ : بلھے کولوگ نصیحتیں کرتے ہیں کہ اے بلھیا! تو مسجد میں جا کر بیٹھ جا (اور وہاں عبادت کرو) اگر خلوص قلب کے ساتھ نماز نہ پڑھی جائے تو پھر مسجد میں جا کر عبادت کرنے سے کیا ہوتا ہے۔ اگر ہم اندر یعنی دل کے سیاہی اور خرابی کو دور نہ کریں تو صرف ظاہری جسم کی صفائی سے کچھ نہیں بنتا۔ اے بلھا! کامل مرشد کے ملے بغیر تیری عبادت ضائع ہوگئی۔

نمازیں آگ کی بھٹی ہیں، روزے دلدل اور کلمے پر سیاہی پھیل گئی ہے۔ بلھے شاہ کو تو محبوب اپنے اندر سے مل گیا (لیکن دنیا اسے ادھر ادھر ڈھونڈتی رہی)

حضرت شاہ عنایت قادریؒ کو اچھی علم تھا کہ اسلامی ممالک میں وحدت الوجودی صوفیاء کرام کا کیا حشر ہوا ہے۔ وہ اس لئے احتیاط کا دامن اپنے ہاتھ سے نہ چھوڑتے تھے۔ انہوں نے بلھے شاہؒ کو ایسی باتیں کرنے سے روکا بھی۔ پر بلھے شاہ پر مرشد کی باتوں کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اس پر شاہ عنایت ان سے ناراض ہو گئے اور انہیں اپنے حلقہ عقیدت سے نکال دیا۔

انیس ناگی اپنی کتاب ''بلھے شاہ'' کے صفحہ 37 پر تحریر کرتے ہیں'' اپنی ذات کا انکار، وحدت الوجود، جذب و استغراق اور تصوف کے وہ عمومی تصورات ہیں جو قادریہ مسلک میں مرکزیت رکھتے ہیں۔ قادریہ مسلک میں طریقت کے ساتھ شریعت کی پابندی کو بھی ضروری سمجھا جاتا ہے لیکن بلھے شاہ ایک من موجی شاعر بھی تھا جو شریعت سے دور رہنا چاہتا تھا۔ شاید اسی باعث شاہ

عنایت اس سے خفا بھی رہتے تھے۔ وہ اہل شریعت علماء کا تمسخر بھی اڑاتا۔ کہا جاتا ہے کہ ایک دو مرتبہ شاہ عنایت نے ناراض ہو کر اسے اپنے مریدی سے خارج کر دیا تھا"۔

اسی کتاب کے صفحہ 39 پر وہ یہ لکھتے ہیں "بلھے شاہ ایک کھلا ڈھلا درویش شاعر تھا جو رجعت پسند مولویوں کا مذاق اڑاتا تھا اور شریعت کی پابندی کو تلاش حق میں زیادہ اہمیت نہیں دیتا تھا۔ شاہ عنایت کو یہ بات پسند نہیں تھی"۔

حضرت بلھے شاہؒ کا وصال

مفتی غلام سرور لاہوری اپنی مشہور کتاب "خزینۃ الاصفیاء" (51) جس پر سبھی مورخ اور تذکرہ نویس اعتماد کرتے ہیں اور مشہور مستشرق پروفیسر اے۔ جے۔ آربری نے اس کتاب کی تعریف میں یہاں تک لکھ دیا ہے کہ یہ صوفیاء کرام کا پہلا تذکرہ ہے جو سائینٹیفک طریقہ پر لکھا گیا ہے۔ اس میں آپ کی تاریخ وفات 1171ھ (مطابق 1757ء) لکھی ہوئی ہے۔ اور اسی کو معتبر تسلیم کیا جاتا ہے۔

بقول اسیوران حضرت بلھے شاہؒ (52) نے 1753ء (مطابق 1167ھ/1168ھ) میں وفات پائی۔ ان دونوں حضرات نے اس بارے کسی ماخذ کا ذکر نہیں کیا۔ ڈاکٹر لاجونتی رام کرشنا نے (53) آپ کی تاریخ وفات 1758ء (مطابق 1171ء) بیان کی ہے۔

عبدالغفور قریشی مصنف "پنجابی ادب دی کہانی" نے سال وفات 1758ء (1172ھ) لکھا ہے۔

ٹی آر ونگاری مصنف "سائیں بلھے شاہ" نے 1757ء کو سال وفات قرار دیا ہے۔

Our Legendary Intellectuals کے مصنف سجاد شیخ نے لکھا ہے

He lived a pious life of celibacy until his death in 1171 A.H as inscribed on his tombstone (ie in 1757 A.D)

سید افضل حیدر نے اپنی کتاب "فرید، نانک، بلھا، وارث" میں بلھے شاہ کے باب کا عنوان

لکھتے ہوئے ساتھ 1680 AD - 1752 AD اور متن میں سال وفات 972ھ بمطابق 1758ء لکھا ہے جو بہت سوال اٹھاتا ہے۔

تاریخ ادبیات، پنجاب یونیورسٹی جلد تیرہ میں بھی خزینۃ الاصفیاء والے سال وفات یعنی 1171ھ (1758ء) کو حوالہ بنایا گیا ہے۔

بہت سے محققین نے "خزینۃ الاصفیاء" کے مطابق 1171ھ کو سال وفات مصدقہ طور پر تسلیم کیا ہے۔

آپ کے مزار اقدس کی لوح پر یہ قطعہ درج ہے۔ (جو مفتی غلام سرور لاہوری نے خزینۃ الاصفیاء میں تحریر کیا ہے)

چوں بلھے شاہ شیخ ہر دو عالم	مقام خویش اندر خلد ورزید
رقم کن "شیخ اکرام" ارتحالش	دگر "ہادی اکبر مست توحید"
1171ھ	1171ھ

اس قطعہ میں دو خفیف غلطیاں ہیں۔ پہلی یہ کہ "چوں" کی جگہ "چو" ہونا چاہیے۔ دوسری یہ کہ "شیخ اکرام" سے سنہ 1172ھ برآمد ہوتا ہے۔ یہاں "اکرام" نہیں "اکرم" ہونا چاہیے۔ دیکھا جائے تو اکرام (بمعنی عطا، بخشش بزرگی) اسم مجرد ہے جبکہ اکرم (بمعنی بخشندہ و بزرگ تر) اسم صفت اور یہاں "شیخ اکرم" مرکب توصیفی ہے چنانچہ صفت اکرم ہو گی اکرام نہیں۔

اس ضمن میں اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی کے پرنسپل خان بہادر ڈاکٹر محمد شفیع (54) نے اپنے تحقیقی مقالہ میں جو انہوں نے پنجاب یونیورسٹی کے اجلاس منعقدہ 22 اپریل 1939ء میں پڑھا جس کی رو سے 1181ھ حضرت بلھے شاہ کے بقید حیات ہونے کا ثبوت ایک اجازت نامہ کا حوالہ دے کر مہیا کیا جو آپ نے حافظ خان محمد کے حق میں تحریر کیا اور اس پر یہ اپنی مہر ثبت کی۔

1181 قادر

بلھا شاہ

اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ 1181ھ میں زندہ تھے۔ لیکن ابھی تک اس کی تصدیق نہیں ہو سکی۔ ڈاکٹر جیت سنگھ سیتل (55) بھی اس تحقیق کو تسلیم نہیں کرتے اور لکھتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ یہ مہر بلھے شاہ کے کسی گدی دار (56) نے بعد میں لگا دی ہو۔ (اس پر بلھے شاہ کے دستخط نہیں ہیں)۔

ڈاکٹر فقیر محمد فقیر اپنی مرتبہ کتاب ''کلیات بلھے شاہ'' میں کہتے ہیں کہ ہمارے پاس ''خزینۃ الاصفیاء'' (مفتی غلام سرور لاہوری) اور لوح مزار کے علاوہ کوئی اور ایسا ثبوت نہیں جو ان کی تاریخ وفات کی نشان دہی کرے۔ ان کی تاریخ پیدائش اور تاریخ وفات پر تحقیق کی ضرورت ہے۔

مزار مبارک

آپ کا مزار شہر قصور میں ریلوے روڈ پر واقع ہے۔ 10 تا 12 بھادوں ہر سال آپ کا عرس مبارک نہایت جوش و خروش سے منایا جاتا ہے۔

(''قدرت کی نیرنگیاں دیکھئے بلھے شاہ کی اچانک موت کے وقت اس کے انقلابی فکر و عمل کے باعث ملاؤں نے اسے برادری کے قبرستان میں دفن کی اجازت نہ دی۔ آج اسے بلھے شاہ کا خستہ حال مقبرہ ہی قصور کے بیرونی حصہ میں قصبے کے کوڑے کرکٹ کے انباروں سے مبرا ایک پاک صاف جگہ ہے۔ شہر کے نامور لوگ جنہوں نے اس وقت بلھے شاہ پر کافر ہونے کا فتویٰ عائد کر کے اسے برادری سے خارج کر دیا تھا، آج زیادہ سے زیادہ دولت صرف کر کے اس کے نزدیک دفن کئے جانے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔'')

1- Bulleh Shah: A Selection Lay Taufiq Riffat P.1. Ist Edition 1982

2- سائیں بلھے شاہ از جے آر، پوری اور ٹی آر۔ شنگاری ص 23، مشتاق بک کارنر لاہور 2002

تصوف اور بلھے شاہ کی شاعری

تصوف میں ایک صوفی کو اپنے نفس کے عرفان کے لئے تین منازل میں سے گزرنا پڑتا ہے۔ تب وہ حقیقت تک پہنچتا ہے۔ان میں سے پہلی منزل مرشد کے احکام اور اور صفات میں غرق ہونے کی ہے۔اس منزل کو فنا فی الشیخ کا مرتبہ کہا جاتا ہے۔یہ وہ مرتبہ ہے جس میں ایک سالک کائنات کے ذرے ذرے میں اپنے مرشد کے جمال کی جھلک دیکھتا ہے۔تصوف خواہ اسلامی روایت سے منسلک ہو یا کسی اور مذہب سے تمام میں مرشد، ہادی، شیخ اور رہنما کو اس مسلک میں بنیادی حیثیت حاصل ہے۔اس کے بغیر سالک کا سفر ممکن نہیں ہے۔ وہی روشنی دکھاتا ہے۔ حقیقت اولیٰ تک رسائی حاصل کرنے کے لئے مرشد کی تلاش اسلامی تصوف کی روایت کا ایک لازمی حصہ رہا ہے۔

سلوک کی دوسری منزل کو فنا فی الرسول ﷺ کی منزل کہتے ہیں ۔اس مقام پر ایک سالک اپنے وجود کو رسول اکرم ﷺ کی حقیقت میں جذب اور متفرق محسوس کرتا ہے۔اسے ہر چیز میں رسول کریم ﷺ کی ذات کے جلوے دکھائی دیتے ہیں۔کائنات کے ہر وجود میں اس کو ایک ہی ذات میں موجود دکھائی دیتا ہے۔

تیسری منزل فنا فی اللہ کی منزل ہے۔اس منزل میں سالک کو وحدت الوجود کی حقیقت کا رنگ دکھائی دیتا ہے۔ ہر شے میں محبوب ازلی کے ازلی حسن کا عکس حقیقت بن کر سالک کو حق الیقین دکھائی دیتا ہے۔اور تصوف کا اصل مدعا بھی یہی ہے کہ معرفت الٰہی کی بلندی تک رسائی ہو جائے اور شہود میں شاہد حقیقی کا قرب حاصل ہو جائے اور بندے کی تخلیق کا مقصد پورا ہو جائے۔اب

دیکھا جائے گا کہ سید بلھے شاہ نے ان تین منازل کو کیسے طے کیا یا اپنے آپ کو ان میں سے گزارا اور اپنے کو سالک ہین کا ثبوت دیا۔ اس لحاظ سے حضرت بلھے شاہؒ کی صوفیانہ زندگی کو تین ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

فنا فی الشیخ

یہ وہ پہلا دور ہے جب آپ مرشد کی تلاش میں سرگرداں تھے اور تصوف کے مختلف افکار کو سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ آپ کے ظاہری علوم کی تکمیل یا تحصیل تو غلام مرتضیٰ قصوریؒ نے کی لیکن روحانی منزلیں شاہ عنایت قادری شطاری لاہوریؒ کی نگرانی میں طے کیں۔ شاہ عنایت نے اپنے مرید کی تربیت میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ بلھے شاہ کو بھی اپنے مرشد سے انتہائی عقیدت اور محبت تھی۔ بلھے شاہ کے کلام میں بہت سے مقامات پر مرشد کے مداحیہ ملتے ہیں۔ جن کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں وہ ان کے بارے میں بڑے ادب واحترام سے ذکر کرتا ہے۔ گرو، مرشد، عارف، رانجھا سبھی ایک میں جو بلھے شاہ کو تصوف سے روشناس کراتے ہیں۔ بلھے شاہ مرشد کی محبت میں اپنی ذات کو محو کر دیتا ہے اس کی مدح سرائی کرتے ہوئے بعض اوقات اسے خدا کا بدل بنا دیتا ہے۔ شاہ عنایت بلھے شاہ کی شاعری کا متن اور محور ہے۔ یہ شاعری حقیقت اور مجاز کے درمیان چلتی ہے۔ وہ اپنے سفر میں مرشد یا اس کے تصور کو رہنما بناتا ہے۔ مرشد کا بڑے ادب واحترام سے ذکر کرتا ہے۔

اس کی وحدت کے دریا میں پیر نے ناخدائی کر کے منزلِ مقصود تک پہنچا دیا۔

وجد میں سبق عشق دا پڑھیا
دریا دیکھ وحدت دا وڑیا

گھمن گھیراں دے وچ اڑیا

شاہ عنایت لایا پار

(جب مجھے اللہ سے محبت پیدا ہوئی میں نے وحدت کے دریا میں قدم رکھا اور کٹھن آزمائشوں میں گھر گیا تو مرے مرشد شاہ عنایت نے مجھے منزل مقصود پر پہنچا دیا۔)

پہلی پوڑی اتری پُل صراط ڈیرا

حاجی مکے جاہن میں مکھ دیکھاں تیرا

آ عنایت قادری دل چاہے میرا

میں اڈیکاں کر رہی کدی آ کر پھیرا

(کافی نمبر 127)

ترجمہ : میں نے عشق کی منزل طے کر لی ہے اور میری رہائش پل صراط پہ ہے (پہلی روحانی منزل پل صراط کو پار کرنے کے برابر ہے) لوگ مکے حج کرنے جاتے ہیں جبکہ مجھے تیری صورت کو دیکھنا ہی حج کے برابر ہے۔ اے عنایت قادری میرا جی چاہتا ہے کہ تو میرے پاس آئے۔ میں انتظار کر رہی ہوں۔ کبھی تو میرے ہاں آ۔

آپ کی رگ رگ میں مرشد کا عشق سما گیا تھا۔ انہوں نے برملا کہہ دیا۔

بلھے شاہ نوں مرشد ملیا، چھٹے سب تگا دے

بلھے شاہؒ کے کلام میں اپنے مرشد کی محبت واحترام کا ذکر عام ملتا ہے۔ جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ وہ فنا فی الشیخ کی منزل پر پہنچ چکے تھے۔

فنا فی الرسولﷺ :

نفس کی معرفت کے لئے سلوک کی دوسری منزل فنا فی الرسولؐ کی منزل کہلاتی ہے۔ اس منزل

میں ایک سالک رسول خدا ﷺ کے عشق میں اپنے آپ کو اور سب کائنات کو بھلا کر ایک رسول ؐ کی ذات کو ہی ساری کائنات میں منعکس دیکھتا ہے۔ وہ اپنی راہِ ہدایت کے لئے صرف رسول ﷺ کو تلاش کرتا ہے۔ وہ رسول ﷺ کو نشانِ منزل تسلیم کرتے ہوئے اس کی ذاتِ بابرکات کے علاوہ کسی اور کی طرف نہیں دیکھتا۔

یہ بات ذہن نشین رہے کہ عشق رسول ﷺ کا تصور قرآن پاک کی اس آیت سے لیا گیا ہے۔

ترجمہ :اے نبی آپ کہہ دیں کہ اگر تم (لوگ) اللہ تعالیٰ کی محبت چاہتے ہو تو پھر میری (رسول ﷺ کی) اطاعت کرو۔ (سورۃ العمران آیت 31)

رسول خدا ﷺ کی محبت اور اطاعت کا دم سب مسلمان بزرگوں نے بھرا ہے۔ صوفیاء کرام کی زبان میں فنافی الرسول ؐ کی منزل ہی فنافی اللہ کا پہلا زینہ ہے۔ بلھے شاہؒ عشقِ رسول ﷺ میں اس قدر مگن ہے کہ اس کو سب کچھ اسی منزل سے حاصل ہوتا دکھائی دیتا ہے۔ لیکن بلھے شاہ نے اس منزل پر پہنچنے کے باوجود اپنے مرشد کو بھی یاد رکھا ہے۔ ان کو مرشد کے رنگ ہی نے یہ رنگینی دکھائی ہے۔

بلھے شاہ نے رسول کریم ﷺ کی محبت میں آ کر محسوس کیا کہ مرشد کے علاوہ ایک اور ذات بھی ہے جس کو "ساجن" کہا ہے۔

بے حد رمزاں دَسدا نی ......ڈھولن ماہی

میم دے اوہلے وسدا نی ...... ڈھولن ماہی

(کافی نمبر 33)

ترجمہ: محبوب اشاروں کنایوں میں راز کی باتیں کرتا ہے۔ وہ (محبوب) میم کے پردے میں رہتا ہے۔

بلھے شاہ رسول اللہ ﷺ کی محبت کے جوش میں کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ والی سچی راہ بھائی ہے اور اللہ کا حکم سنایا ہے۔

عشق رسول ﷺ کے سلسلے میں بلھے شاہؒ کے کلام میں بہت کچھ مواد موجود ہے جس سے اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ بلھے شاہ فنا فی الرسول ﷺ کی منزل پر پہنچ چکے تھے۔

کُن کہیا فیکون کہایا

بے چُونی سے چون بنایا

احد دے وچ میم رلایا

تاں کیتا ایڈ پسار

ہن میں لکھیا سوہنا یار

جس دے حسن دا گرم بازار

(کافی نمبر 152)

ترجمہ :اس نے کن (ہوجا) کہا اور فیکون (ہوگیا) کہلوایا۔ بے وجودی سے وجود میں آیا۔ (کائنات روپذیر ہوگئی)

احد میں ایک میم کا اضافہ کر دیا (احمد بنا) اور اس کے لئے ساری کائنات بنادی۔ اب میں نے سوہنا یار لکھا ہے جس کے حسن کا بازار گرم ہے۔ (اللہ نے اپنے نور سے نبی کریم ﷺ کا نور پیدا کیا)۔

احد اور احمد میں صرف میم کا فرق ہے۔ یہی فرق ہے دونوں الفاظ میں صوری اور معنوی امتیاز رہتا ہے۔ احمد اور میم کے سلسلے میں "گلشن راز" کے مصنف نے کہا ہے۔

احد در میم احمد گشتہ ظاہر

دریں دور اوّل آمد عین آخر

مولانا نورالدین عبدالرحمٰن جامیؒ نے کیا خوب کہا ہے۔

ز احمد تا احد یک میم فرق است

جہانے اندر آں یک میم غرق است

جب کسی طالب کو فنا فی الشیخ کی روشنی کے ساتھ فنا فی الرسول ﷺ کی منزل نظر میں آ جائے تو فنا فی الرسول ﷺ کی نورانی شمع کی روشنی میں وحدت کی جھلک دکھائی دینے لگتی ہے۔ اب وہ وحدت کے مقام کو سمجھنے لگ جاتا ہے۔ وحدت سے مراد یہ ہے کہ ایک سالک اپنی ہستی کو رب کریم یا محبوب ازلی کی ہستی میں فنا کر دے۔ اسی منزل کو فنا فی اللہ کہا جاتا ہے۔

فنا کا مطلب یہ نہیں کہ ایک طالب اپنے نفس کا حقیقتاً خاتمہ کر دے بلکہ یہ مطلب ہے کہ سالک اپنے نفس کی حالت اور کیفیت کو محبوب ازلی کی رضا کے موجب ڈھال لے۔ یعنی اپنے اندر کی قوتوں کو جو ظلم اور جبر پر بندے کو اکساتی ہیں، ان کو ذات واجب الوجود کی صفات کا مظہر بنا لے۔ حضرت امام غزالیؒ کے ارشاد کے مطابق جب کہ جب بندے کی تخلیق کا مقصد ہی اللہ تعالیٰ کی نیابت ہے تو پھر بندے کو بھی اوصاف اپنے اندر پیدا کرنے چاہئیں۔ لیکن یہاں فطرت کے ان ابتدائی اوصاف کو شامل نہیں کیا جا سکتا، جن کو اللہ تعالیٰ نے صرف اپنے قبضۂ قدرت میں رکھا ہوا ہے۔

البتہ سالک کو اس بات کا علم ہونا چاہیے کہ اللہ نور السموات والارض کا اصل مقصد کیا ہے؟

حضرت مولانا جامیؒ نے اس آیت قرآنی کو اپنے اشعار اور اپنے رنگ میں یوں بیان کیا ہے۔

در کون و مکاں نیست ازاں جز یک نُور
ظاہر شدہ آں نور بانواع ظہور
حق نور و تنوع ظہورش عالم!
توحید ہمیں ست دگر وہم و غرور

یعنی اس کائنات میں صرف ایک ہی نور ظاہر ہے۔ اور وہ نور کئی روپ میں ظاہر ہوتا ہے۔ اس لئے سمجھو کہ یہ نور ہی حق ہے۔ یہاں ایک بات کی غلط فہمی کا امکان ہے کہ جب ایک نور واجب اور قدیم ہے تو پھر بندہ کیا ہے؟ اور خدا کون ہے؟ یہاں سالک کو بڑا محتاط رہنا پڑتا ہے۔ ذرا سی غلطی پر انسان کفر کے دائرے میں شامل ہو سکتا ہے۔ مطلب یہ کہ بندہ، بندہ رہے اور خالق، خالق

ہے۔ لیکن محبوب حقیقی کی صفات اور اوصاف کا عکس بندے میں ظاہر ہو۔

ہر مرتبہ از وجود حکمے دارد
گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی

سید بلھے شاہؒ بھی ایک سچے سالک ہیں۔ انہوں نے فنافی الشیخ ہونے کا حقیقی ثبوت دیا ہے۔ وہ
۔ے محتاط انداز میں اس منزل میں داخل ہو کر زندیقی سے بھی واقف رہے لیکن اپنی عقیدت ،
بت اور مرشد کے عشق کو خوب بنایا۔ فنافی الرسول ﷺ ہونے کا حق بھی خوب ادا کیا۔

فنا فی اللہ کی منزل میں بلھے شاہ اس منزل کے حالات ، کیفیات اور احساسات کو اچھی طرح
ن کرتے ہیں ۔ حضرت بلھے شاہ کا کلام توحید باری تعالیٰ ، فنا فی اللہ ، وحدت الوجود اور ہمہ
ست کی تفسیر ہے۔

بلھیا شوہ ہے دوہیں جہانیں ، کوئی نہ دسدا غیر

ترجمہ: بلھیا دونوں جہانوں میں اللہ ہی اللہ ہے۔ اس کے سوا اور کوئی دکھائی نہیں دیتا ہے۔
ہر جگہ اللہ کی شان کبریائی ہے۔

بلھا شوہ بن کوئی ناہیں
ایتھے اوتھے دوہیں سرائیں
سنبھل سنبھل قدم ٹکائیں
فیر آون دُوجی وار ناہیں

(کافی نمبر 6)

ترجمہ: بلھیا کائنات میں اللہ کے سوا اور کوئی نہیں ۔ دنیا اور آخرت میں بھی وہی جلوہ گر
۔ اس لئے بڑی سوچ سمجھ اور احتیاط سے زندگی گزار یعنی خدا کی وحدت کو پہچان کیونکہ دنیا میں
ئ دوسری بار نہیں آتا۔

بلھے شاہ کو خدا کے دونوں تصورات یعنی اس کے قادر مطلق اور محیط کل ہونے پر پکا عقیدہ ہے۔

بے چُون و بے چگونہ سی
بے شبیہ بے نمونہ سی
نہ کوئی رنگ نہ نمونہ سی
ہن ہویا گونا گون ہزار

(کافی نمبر152)

ترجمہ :وہ بے مثل و بے مثال تھا۔ بے شبیہ و بے صورت تھا(سب شک کے بغیر اور نمونے کے بغیر) نہ رنگ تھا نہ تمثیل تھی (پہلے وحدت تھی) لیکن اب ہزاروں کثرتوں نے جنم لے لیا۔ (کائنات جو وجود میں آ گئی)

کِتھوں لا مکانی وَسدے او
تُسی ہر رنگ دے وچ وَسدے او
کن فیکون تئیں آپ کہایا
تیں باجھوں ہور کہیڑا آیا
عشقوں سبھ ظہور بنایا
عاشق ہو کے وَسدے او
پچھو آدم کس نے آندا اے
کتھوں آیا ہے کتھے جاندا اے
اوتھے کس دا تینوں لانجا اے
اوتھے کھا دانہ ، اُٹھ نسدے او
کِتھوں لا مکانی وَسدے او
تسیں ہر رنگ دے وچ وَسدے او

(کافی نمبر90)

ترجمہ: آپ اپنے لامکان ہونے کی بات کس سے کہتے ہیں۔آپ تو ہر رنگ میں بستے ہیں۔کن فیکون آپ نے خود ہی کہا۔خود ہی آپ اس دنیا میں جلوہ گر ہوئے۔اس دنیا کا خمیر عشق سے اٹھایا۔اور یہاں عاشق بن کر رہ رہے ہو۔

(خداوند عالم کو دنیا پیدا کرنی تھی۔تو ''کن'' فرمایا جس کے معنی ہیں وجود میں آجا فیکون: وجود میں آ گئی۔کن فیکون: تمام موجودات۔سب ظہور)

بلھے شاہ محض شاعر نہیں تھے وہ ایک فنا فی الشیخ اور فنا فی الذات درویش تھے۔ان کی شاعری ایک ایسے فلسفہ کی ترجمان ہے جو اسلام میں ایک مخصوص مکتب خیال کی حیثیت رکھتا ہے۔بلھے شاہؒ نظریہ وحدت الوجود کے قائل اور ترجمان ہیں۔اس مکتب خیال کے سرحلقہ علماء میں شیخ محی الدین ابن عربی 560ھ/1165ء تا 638ھ/1245ء) صاحب حال صوفی اور باکمال فیلسوف اور شعراء میں مولانا جامی ہیں۔

حضرت بلھے شاہ قادری پر توحید وجودی کا رنگ اس قدر غالب تھا کہ عالم انسانیت دنیا کی ہر چیز میں محبوب حقیقی کا جلوہ نظر آتا ہے اور وہ کہتا ہے۔

جت وَل ویکھاں وِسدا اوہی
قسم اوسے دی ہور نہ کوئی

☆☆☆

جتول ویکھاں اُتّے ولّ اوہو
ہر دی سنگت کر دا
کیہ کر دا نی کیہ کروا
کوئی پچھو کھاں دلبر کیہ کر دا

(کافی نمبر 93)

ترجمہ: میں جس طرف بھی نظر کرتا ہوں، اسی طرف وہ ہر کسی کے ساتھ نظر آتا ہے (محبوب حقیقی

کا جلوہ ہر چیز میں موجود ہے) یہ کیا کر رہا ہے؟ کوئی معلوم تو کرو کہ میرا محبوب یہ کیا کر رہا ہے؟
مرزا غالب کہتے ہیں۔

جب وہ جمالِ دل فروز صورت مہر نیم روز
آپ ہی ہو نظارہ سوز، پردے میں منہ چھپائے کیوں

یا ایک اور جگہ موجود حقیقی کے عرفان کی خبر ان لفظوں میں دیتے ہیں۔

جلاد سے ڈرتے ہیں نہ واعظ سے جھگڑتے ہیں
ہم سمجھے ہوئے ہیں اسے جس بھیس میں جو آئے

غالبؔ کی ہم نوائی میں غالبؔ کا پیشرو بلھے شاہ اپنے مخصوص انداز میں اس طرح حقیقت کے چہرے سے نقاب اٹھاتا ہے۔

سسّی دا دل لٹن کارن
ہوت پنوں بن آیا اے
اک نکتہ یار پڑھایا اے

(کافی نمبر 10)

ترجمہ: سسّی کا دل لوٹنے (لبھانے) کے لئے وہ خود ہی پنوں ہوت بن کر آ گیا یعنی خود ہی عاشق اور خود ہی معشوق یہ باریک بات مجھے یار نے پڑھائی ہے۔

اللہ کی روح ہر چیز میں موجود ہے اور اپنا کام کرتی ہے۔

اک لازم بات ادب دی ہے
سانوں بات ملومی سب دی ہے
ہر ہر وچ صورت رب دی ہے
کتے ظاہر کتے چھپیندی ہے
منہ آئی بات نہ رہندی ہے

(کافی نمبر 113)

ترجمہ :ادب کی یہ شرط لازم ہے کہ ہر انسان کی صورت میں خدا جلوہ گر ہے۔ ہمیں سب کی بات معلوم ہے یہ کہیں عیاں اور کہیں پنہاں ہے۔ ہونٹوں پر آئی بات بھلا کہاں رکتی ہے۔

صوفیائے کرام کا عقیدہ ہے کہ اللہ انسان کی شہ رگ سے بھی اس کے نزدیک ہے۔ بلھے شاہ نے اس تعلیم کی تصدیق میں کئی جگہ قرآن مجید کی آیتوں کے حوالے دیئے ہیں جن میں خدا بندے سے کہتا ہے۔ ''میں شہ رگ سے بھی تیرے نزدیک ہوں اور تو مجھے اپنے آپ میں پہچان۔

نَحنُ اِقرَبَ لکھ دیتوئی
ھُو معکم سبق دیتوئی
وفی اَنفسکم حکم دیتوئی
پھر کیہا گھنگھٹ پائیوئی
سیوہن میں ساجن پائیوئی
ہر ہردے وچ سمائیوئی

(کافی نمبر 75)

ترجمہ :اس نے نحن اقرب۔ ہم شہ رگ سے بھی نزدیک ہیں) لکھ دیا ہے۔ اور ھو معکم (میں تمہارے ساتھ ہوں) کا سبق دیا ہے۔ اور فی انفسکم (تو مجھے اپنے آپ میں پہچان) کا حکم دیا ہے۔ پھر یہ کیسا پردہ اختیار کیا ہے اور خود کو کس طرح دنیا کی ہر چیز میں چھپایا ہے۔ میری سہیلیو! میں نے اب اپنا محبوب حقیقی پالیا ہے وہ ہر ایک چیز میں سمایا ہوا ہے۔

فثم وَجہُ اللہ نور تیرا
ہر ہر کے بیچ ظہور تیرا
ہے اِلاانسان مذکور تیرا
ایتھے اپنا سّر لوکائیوئی

(کافی نمبر 75)

ترجمہ :اس کا جلوہ ہر چیز میں سمایا ہوا ہے۔جس طرف بھی دیکھو آپ ہی کا نور ہے۔
الانسان سری (انسان میرا بھید ہے) ہر جگہ یہی مذکور ہے یہاں پر اسی نے اپنا بھید چھپالیا ہے

بھر کے وحدت جام پلائیو
منصورے نوں مست کرائیو
اس توں انا الحق آپ کہائیو
پھر سُولی پکڑ چڑھائیوئی

(کافی نمبر 75)

ترجمہ :اس نے وحدت کا جام بھر کر پلایا اور منصور کو مست کر کے رکھ دیا۔ پھر خود ہی اس سے انا الحق (میں خدا ہوں) کہلوادیا۔ پھر خود ہی پکڑ کردار (سولی) پر چڑھوادیا۔

گھنگھٹ کھول جمال دکھایا
شیخ جنید کمال سدایا
یس فی جُنَّتی حال بنایا
اشرف انسان بنائیوئی

(کافی نمبر 75)

ترجمہ :اس نے اپنے رخ سے پردہ ہٹا کر اپنا حسن و جمال دکھایا تو شیخ جنید بغدادی کمال کو پہنچ گئے۔اور ہر حال میں مست و بے خود رہنے لگے۔واقعی تو نے انسان کو سب سے اشرف (صاحب فضیلت) بنایا ہے۔
اس کی وضاحت وہ یوں کرتا ہے۔

شاہ رگ تھیں رب دس دا نیڑے
لوکاں پائے لمیں جھیڑے
واں کے جھگڑے کون نبیڑے

بھج بھج عمر گوائی اے
گل رولے لوکاں پائی اے

(کافی نمبر100)

ترجمہ :وہ(اللہ تعالیٰ) شہ رگ سے بھی قریب ہے۔لوگوں نے (خواہ مخواہ) لمبے قضیئے پیدا کرر کھے ہیں۔یہاں دنیا کے جھگڑے کون نبٹائے۔(بیکار کی) بھاگ دوڑ ہی میں ہم نے عمر گنوا دی۔لوگوں نے خواہ مخواہ الجھاؤ میں ڈال رکھا ہے۔

آپ نے" چلو دیکھئے اس مستانڑے نوں" ہوری کھیلوں گی کہہ کر بسم اللہ اور قسم وجہ اللہ دسنا ایں اَج اویار" نامی کافیوں میں بھی قرآن شریف کی اسی مفہوم کی آیتوں کے حوالے دیئے گئے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ اہل اسلام میں بھی شروع سے روحانی ترقی کے لئے یہی طریق ریاضت مقبول عام تھا۔

1۔ چلو ویکھیئے اس مستانڑے نوں، جدی ترنجاں دے وچ پئی اے دھم
اوہ تے ے وحدت وچ رنگدا اے ، نہیں پچھدا ذات دے کیہ ہو تم
2۔جدھا شور چوفیرے پیدا اے ، اوہ کول تیرے نت رہندا اے
نالے نَحنُ اَقرَب کہندا اے ، نالے آکھے و فی اَنفُسکُم
3۔ چھڈ جھوٹھ بھرم دی بستی نوں ، کر عشق دی قائم مستی نوں
گئے پہنچ سجن دی ہستی نوں ، جیہڑے ہو گئے صم بکم عم
4۔ نہ تیرا ہے نہ میرا ہے ، جگ فانی جھگڑا جھیڑا اے
بناں مرشد راہبر کیہڑا اے ، پڑھ فاذکرونی اذکر کم
5۔ بلھے شاہ بات اشارے دی، جنہاں لگ گئی تاہنگ نظارے دی
دس پیندی گھر ونجارے دی، ہے ید اللہ فوق ایدیکم

(کافی نمبر55)

ترجمہ :1۔ چلو اس مستانے کو دیکھیں، جس کی ترنجنوں (محفلوں اور مجلسوں) میں دھوم مچی ہے۔ وہ تو کسی کی ذات پات پوچھے بغیر ہی مئے وحدت میں رنگ دیتا ہے۔

2۔ جس کا چرچا چاروں اطراف میں پھیل رہا ہے۔ وہ تو ہمیشہ تیرے ساتھ رہتا ہے۔ کہیں (اور ہم انسان کے زیادہ قریب ہیں) کا ذکر کرتا ہے۔ کہیں (اور خود تمہاری ذات میں بھی) والی سورت پڑھتا ہے۔

3۔ جھوٹے بھرم کی ذلت کو تیاگ، نشۂ عشق کو برقرار رکھ۔ جو "بہرے، گونگے اور اندھے" ہوئے۔ وہی محبوب کی بستی میں جا پہنچے۔

4۔ جہان فانی تنازعات اور انجھیڑوں کی جگہ ہے۔ نہ یہ تیرے، نہ میرے ساتھ (مخلص) ہے۔ مرشد کے سوا کون رہبر ہو سکتا ہے۔ (تم مجھ کو یاد کرو، میں تم کو یاد رکھوں گا) پڑھ۔

5۔ بلھے شاہ یہ بات رمز کی ہے۔ جنہیں دیدار (محبوب) کی آرزو رہی۔ انہیں رجائی (محبوب) کی منزل نظر آ گئی۔ (جو لوگ آپ سے نبی اکرم ﷺ سے بیعت کر رہے ہیں وہ دراصل اللہ تعالیٰ سے بیعت رہے ہیں) برحق ہے۔

اس کافی کا مضمون سادہ اور الفاظ آسان ہیں۔ البتہ اس میں قرآن شریف کی متعدد آیات شاعر نے اپنے ادّعا کی دلیل میں پیش کی ہیں۔ ان کا ترجمہ نیچے دیا جا رہا ہے۔

ترجمہ: "اور یہ حقیقت ہے کہ ہم ہی نے پیدا کیا انسان کو اور ہم جانتے ہیں کہ کیا کیا وسوسے پیدا ہوتے ہیں اس کے دل میں۔ اور ہم زیادہ قریب ہیں اس کے اس کی رگِ جان سے بھی۔ (سورہ ق، آیت 16)

اور زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں یقین لانے والوں کے لیے۔ (سورالذریٰت 20)

اور خود تمہاری ذات میں بھی۔ کیا پھر تم کو سوجھتا نہیں؟ (سورالذریٰت 21)

"مراد یہ کہ خارجی دنیا میں تو رب کی نشانیاں میں ہی، تم اپنی ذات کے اندر غور کرو تو وہاں بھی خدا کی نشانیاں نظر آئیں گی۔ ایک حدیث کا بھی یہی مضمون ہے "جس نے اپنے نفس کو پہچانا، اس

نے اپنے رب کو پہچانا۔"

ترجمہ: وہ بہرے ہیں۔ گونگے ہیں، اندھے ہیں اور اب وہ راہ ہدایت پر واپس نہ آئیں گے" (سورۃ البقرۃ: آیت 18)

آیت کے استعمال میں یہ بات قابل غور ہے کہ ذاتی سیاق وسباق میں وہ مذمت کرتی ہے۔ نہ دیکھنے والوں کی۔ لیکن کافی میں وہ نہ دیکھنے سننے بولنے والوں کی تحسین پر لائی گئی ہے۔

ترجمہ: تم مجھ کو یاد، میں تم کو یاد رکھوں گا۔ اور میری (نعمت کی) شکر گزاری کرو۔" (سورۃ البقرۃ کی

(سورۃ الفتح، آیت 10) کا ابتدائی حصہ۔ ترجمہ: جو لوگ آپ سے (یعنی رسول ﷺ سے) بیعت کر رہے ہیں۔ وہ دراصل اللہ تعالیٰ سے بیعت کر رہے ہیں۔ ان کے ہاتھوں پر خدا کا ہاتھ ہے۔ یہاں اشارہ بیعت الرضوان کی طرف ہے۔ جو 6ھ صلح حدیبیہ کے موقع پر قریباً پندرہ سو مجاہدوں نے رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر کی۔ صوفیاء اس آیت سے اکثر یہ معنی اخذ کرتے ہیں کہ مرشد کامل کی ذات، ذات الٰہی سے الگ نہیں کیونکہ اس کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ ہے۔ اقبال نے بھی کہا ہے "ہاتھ ہے اللہ کا۔ بندۂ مومن کا ہاتھ"......

ثَم   وَجہ   اللہ   دسنائیں   اَج   اویار

حاجی لوک مکّے نوں جاندے ساڈا ہیں تُوں حج او یار

ترجمہ: اے میرے محبوب حقیقی آج تو ہمیں ہر طرف سے اپنے ہی چہرہ کے متعلق بتاتا ہے (ثم وجہ اللہ جدھر دیکھو گے ادھر اللہ کا چہرہ پاؤ گے) لوگ حج کرنے کے لئے مکہ کو جاتے ہیں لیکن میرا حج تو، تُو ہے۔

بلھے شاہ کے کلام میں بے شمار قرآنی آیات کے حوالہ جات ہونے کے باوجود ڈاکٹر لاجونتی رام نے اپنی کتاب "پنجابی صوفی پوئٹس" میں بلھے شاہ کو ویدانتی وشنو لکھ دیا ہے۔ حالانکہ بلھے شاہ واضح الفاظ میں کہہ رہا ہے۔

شریعت ساڈی دائی اے
طریقت ساڈی مائی اے
اگوں حق حقیقت آئی اے
اتے معرفتوں کجھ پایا اے

(کافی نمبر 48)

مطلب یہ کہ شریعت نے ہمارے صوفیانہ کردار کو پیدا کیا۔ طریقت ہماری ماں ہے (اس نے ہمیں جنم دیا ہے) بس یہ ایک بات حقیقت پر مبنی ہے کہ جس نے بھی کچھ دیا ہے معرفت ہی سے پایا ہے۔ یعنی شریعت نے ہمارے قواعد وضوابط کا تعین کیا ہے۔ طریقت نے ہمیں پالا پوسا ہے اور ہماری تربیت کی ہے لیکن ہم نے جو کچھ حاصل کیا ہے وہ اس کی معرفت (پہچان) سے ہی حاصل کیا ہے۔

شریعت ہمیں پیدائش سے اسلام کا راستہ دکھاتی ہے۔ طریقت ہمیں عمل سکھاتی ہے۔ اس کے بعد اللہ کی پہچان ہے اور عرفان سے نجات ملتی ہے۔

ابتدا میں شاہد حقیقی کی تلاش وجستجو کے راستے پر گامزن ہوتے ہوئے ہر وقت اسی کا تصور بلھے شاہؒ کے ذہن پر چھایا ہوا تھا اس وقت ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حقیقت کی تجلی دم بھر کے لئے ظاہر ہوئی اور پھر غائب ہوئی جس سے تشنگی شوق میں مزید اضافہ ہوا۔ چنانچہ وہ وارفتگی اور بیتابی کے عالم میں پکار اٹھتا ہے۔

1۔ گھونگھٹ چُک او سجناں ہن شرماں کاہنوں رکھیاں وے
زُلف کنڈل نے گھیرا پایا، بشیئر ہو کے ڈنگ چلایا
دیکھ اَساں ول ترس نہ آیا، کر کے خونی اکھیاں وے
گھونگھٹ چُک او سجناں ہُن شرماں کاہنوں رکھیاں وے
2۔ دو نیناں دا تیر چلایا، میں عاجز دے سینے لایا

گھائل کر کے مکھ چھپایا ، چوریاں اِہ کن دسیاں وے
گھونگھٹ چک او سجناں ہن شرماں کاہنوں رکھیاں وے
3۔ برہوں کٹاری کس کے ماری، تد میں ہوئی بے دل بھاری
مڑ نہ لئی تیں سار ہماری ، بتیاں تیریاں کچیاں وے
گھونگھٹ چک او سجناں ، ہن شرماں کاہنوں رکھیاں وے
4۔ نیہوں لگا کے من پر لیتا ، پھر نہ اپنا درشن دیتا
زہر پیالہ میں ایہ پیتا، ساں عقلوں میں کچیاں وے
گھونگھٹ چک او سجناں، ہن شرماں کاہنوں رکھیاں وے

(کافی نمبر 101)

یہ خوبصورت کافی خدااور مرشد دونوں پر پوری اترتی ہے۔

1۔ اے میرے محبوب! اب تم گھونگھٹ اٹھالو! اب شرم کس بات کی ہے؟ تیری زلف گرہ گیر نے مجھے گھیر رکھا ہےاور زلفوں کے سانپ مجھ پر ڈنگ چلا رہے ہیں اوران کی آنکھوں میں خون اتر آیا ہے۔(وہ کام تمام کردیں گے)

2۔ اے محبوب! تم گھونگھٹ اٹھالو! اب شرم کس بات کی؟ تونے دونینوں کا تیر چلایا اور مجھ عاجز کے سینے کو زخمی کر دیا۔ مجھے زخمی کر کے تو نے اپنا مکھڑا چھپالیا۔ یہ چوری کرنے کے داؤ پیچ تم نے کہاں سے سیکھے ہیں؟

3۔ پیارے محبوب! گھونگھٹ اٹھالو! اب شرم کس بات کی؟ تم نے جدائی کا تیراس زور سے مارا ہے کہ مجھے بے دل کی جان پر بن گئی ہے اور تم نے کبھی دوبارہ میری خبر تک نہیں پوچھی۔ تیری باتیں کچی ہیں۔

4۔ اے محبوب! گھونگھٹ اٹھالو! اب شرم کس بات کی؟ میں نے محبت کی اور تم نے میرا دل لے لیااور پھر کبھی مجھے اپنے درشن نہیں دیئے۔ میں نے ہجر کا زہر پیالہ پی لیا ہے۔ یہ اس لئے ہوا

کہ میں ابھی عقل کی کچی تھی۔ نادان اور بے سمجھ تھی۔

اسی بات کا اعادہ وہ اگلی ہی کافی (102) میں کر جاتے ہیں۔

گھونگھٹ اوہلے نہ لک سوہنیاں میں مشتاق دیدار دی ہاں
جانی باجھ دیوانی ہوئی ، ٹوکاں کر دے لوک سبھوئی
جے کر یار کرے دل جوئی ، میں تاں فریاد پکار دی ہاں
گھونگھٹ اوہلے نہ لک سوہنیاں، میں مشتاق دیدار دی ہاں
مفت وکاوندی جاندی باندی ، مل ماہیا جند اینویں جاندی
اک دم ہجر نہیں میں سہندی ، میں بلبل اس گلزار دی ہاں
گھونگھٹ اوہلے نہ لک سوہنیاں میں مشتاق دیدار دی ہاں

(کافی نمبر 102)

ترجمہ :1۔ پیارے نقاب کے پیچھے نہ چھپ، میں تیرے دیدار کی طالب ہوں۔ تیری جدائی میں دیوانی ہوگئی ہوں۔ سبھی لوگ مجھ پر طنز و تعریض کرتے ہیں۔ اے یار! اگر تو میری دلجوئی کرے، تو میں بلند آواز میں یہ التجا کرتی ہوں۔

2۔ نقاب کے پیچھے نہ چھپ پیارے، میں تیرے دیدار کی طالب ہوں۔ یہ لونڈی بے دام بک رہی ہے۔ پیارے محبوب آمل کہ عمر بیکار بیت رہی ہے۔ میں ایک پل کے لئے بھی جدائی برداشت نہیں کر سکتی۔ میں تو باغ کی بلبل ہوں۔ نقاب کے پیچھے نہ چھپ، میں تیرے دیدار کی طالب ہوں۔

اس کے بعد عرفان حقیقت کا دور شروع ہوتا ہے۔ وہ دور جب بلھے شاہؒ کی نگاہوں پر رفتہ رفتہ اسرار معرفت منکشف ہوتے ہیں۔ یہ وہ منزل ہے جسے ارباب تصوف کی زبان میں عین الیقین کی منزل کہا جاتا ہے۔ چنانچہ وہ شاہد حقیقی سے خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ مجھ سے چھپنے کا اب کوئی فائدہ نہیں میں تو ہر رنگ میں تمہیں پہچان چکا ہوں۔ آخر وہ منزل آن پہنچتی ہے جہاں شاعر

کی انفرادیت ختم ہو جاتی ہے۔اور وہ۔۔۔

عشرت قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا

کے مصداق فنافی الذات کے مقام پر پہنچ جاتا ہے۔یہ وہی منزل ہے جہاں پہنچ کر منصور حلاج نے اناالحق (میں خدا ہوں) کہہ دیا تھا۔یہ پرانے تمدن کا واقعہ تھا۔اس کے برعکس ہیر پنجاب کے ایک گاؤں کی ایک سادہ عورت تھی۔وہ فلسفہ کی پیچیدگیوں سے بے بہرہ، زُہد کی خشک تقریروں کی ویران راہوں سے ناواقف تھی۔اس نے عشق کی راہ اختیار کی اور فقط ''وفا'' کا ایک ہی لفظ اس نے سیکھا۔جس کے باعث وہ تہمت اور بدنامی کے ڈر سے بے نیاز تھی۔وہ ہر ''غیر خیال'' کو پیچھے چھوڑتی رانجھے کا نام ورد کرتی اور انا رانجھا'' کہتی آخر اس مقام پر پہنچ گئی جہاں منصور نے انا الحق کہا تھا۔''بلھیا! ہیر سلیٹی دیکھو کتھے جا کھلوئی''؟

ہیر نے وہی مرتبہ حاصل کر لیا جو بہت پہلے منصور کو ملا تھا۔

1 ۔ رانجھا رانجھا کر دی نی میں آپے رانجھا ہوئی
سدّو نی مینوں دھیدو رانجھا ہیر نہ آکھو کوئی

2 ۔ رانجھا میں وچ میں رانجھے وچ ہور خیال نہ کوئی
میں نہیں اوہ آپ ہے اپنی آپ کرے دِل جوئی

3 ۔ جو کجھ ساڈے اندر وَسے ، ذات اساڈی سوئی
جس دے نال میں نیو نہہ لگایا اوہو جیسی ہوئی

4 ۔ چٹی چادر لاہ سٹ کڑیئے پہن فقیراں دی لوئی
چٹی چادر داغ لگیسی ، لوئی نوں داغ نہ کوئی

5 ۔ تخت ہزارے لے چل بلھا، سیالیں ملے نہ ڈھوئی
بلھا ، ہیر سلیٹی دیکھو کتھے جا کھلوئی

(کافی نمبر 62)

ترجمہ: 1۔ "رانجھا رانجھا" پکارتی اب میں خود ہی رانجھا بن گئی ہوں۔ اب مجھے "دھیدو رانجھا" کے نام سے پکارو۔ کوئی مجھے "ہیر نہ" کہے

2۔ رانجھا میرے اندر ہے، میں رانجھے کے اندر ہوں۔ ہم ایک ہیں۔ دوسرا کوئی نہیں۔ میں (ہیر) نہیں، وہ (رانجھا) خود ہے اور خود ہی اپنی ناز برداری کرتا ہے۔

3۔ جو کچھ ہمارے اندر بسا ہوا ہے، وہی دراصل ہماری ذات ہے۔ جس کے ساتھ میں نے دل لگایا، اس جیسی ہی ہو گئی ہوں۔

4۔ اے لڑکی سفید چادر اتار دے، درویشوں کی "لوئی" (کالا کمبل۔ بھورا) پہن لے۔ سفید چادر پر تو داغ لگ جاتا ہے۔ لیکن لوئی پر کوئی داغ دھبا نہیں پڑتا۔

5۔ اے بلھے شاہؒ، مجھے تخت ہزارے (محبوب کا گاؤں) لے چل۔ شہر سیال میں میرے لئے کوئی آسرا نہیں ہے۔ سب لوگ میرے دشمن ہیں (روح اپنے اصلی گھر میں جانے کی آرزو رکھتی ہے جہاں خدا رہتا ہے)۔ بلھا! دیکھو ہیر کس مقام پر جا پہنچی ہے۔

نوٹ: دوسرے شعر میں "میں نہیں او وہ آپ" کہہ کر خالق اور مخلوق کے فاصلے کی طرف خوبصورت اشارہ کیا ہے۔ بلھے شاہ کے کلام کو حقیقت یا مجاز جس رنگ میں بھی دیکھا جائے وہ دونوں میں باکمال نظر آتے ہیں۔

بکل دے وچ چور

بُلھے شاہؒ کا سارا فلسفہ اس کافی میں موجود ہے بلھے شاہؒ نے "بکل دے چور" کو نفس امارہ سے تشبیہ دی ہے۔ ان کی متذکرہ کافی جہاں بے پناہ غنائیت اور شعری حسن رکھتی ہے وہیں رمز و کنایہ کا بے پناہ خزانہ اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ رمز و کنایہ کی تاویل سے معنی کو کوئی بھی جو چاہے جامہ پہنا دے لیکن جہاں تک "بکل دے چور" کی رمز کا تعلق ہے اسے بُلھے شاہ نے نفس امارہ سے تشبیہ دے کر لاجواب انداز بیان عطا کیا ہے کہ اگر انسان اپنے اندر چھپے اس گھس بیٹھئے کو نکال دے تو محبوب حقیقی کے اس قدر نزدیک ہو جاتا ہے کہ بقول علامہ اقبال

"تو من شدی من تو شدم"

یا

"ہے اس قدر قریب رگ جاں کے پاس ہے"

☆☆☆

1 ۔میری بُکل دے وچ چور، نی میری بکل دے وچ چور
کِہنوں کُوک سناواں ، نی میری بُکل دے وچ چور
چوری چوری نکل گیا ، تے جگ وچ پے گیا شور
میری بُکل دے وچ چور ، نی میری بُکل دے وچ چور

2 ۔مسلمان سڑنے توں ڈر دے ، ہندو ڈر دے گور
دو نویں ایسے دے وچ مردے ، ایہو دوہاں دی کھور
میری بُکل دے وچ چور ، میری بکل دے وچ چور

3 ۔کِتے رام داس کتے فتح محمد ، ایہو قدیمی شور
مٹ گیا دُو نہاں دا جھگڑا ، نکل پیا کجھ ہور
میری بکل دے وچ چور ، نی ، میری بکل دے وچ چور

4 ۔عرش منوّر بانگاں ملیاں ، سنیاں تخت لاہور
شاہ عنایت کنڈیاں پائیاں ، لک چھپ کھچدا ڈور
میری بکل دے وچ چور ، نی ، میری بکل دے وچ چور

5 ۔جس ڈھونڈا تِس نے پایا نہ جھر جھر ہویا مور
پیر پیراں بغداد اساڈا ، مُرشد تخت لاہور
میری بکل دے وچ چور ، نی ، میری بکل دے وچ چور

6 ۔ایہو تسی دی آکھو سارے ، آپ گڈی آپ ڈور

میں وّستاں تسی پکڑ لیاؤ، بلھے شاہ دا چور
میری بکل وچ چور ، نی ، میری بکل دے وچ چور

(کافی نمبر118)

ترجمہ : 1۔ارے (سہیلی) میری بکل (منہ اور سر پر لپٹی ہوئی چادر) میں چور چھپا ہے۔ میری بکل میں چور ہے (محبوب حقیقی میرے اندر ہے) میں اپنی فریاد کسے سناؤں کہ میری بکل میں جب چور تھا تو کسی کو کانوں کان خبر نہ تھی۔ جب یہ چھپ چھپا کر نکل گیا تو دنیا میں شور پڑ گیا (یعنی تمام دنیا میری بدنامی کا باعث بنی)

2۔ مری بکل میں چور ہے (محبوب حقیقی میرے اندر ہے)۔

مسلمان شمشان و مرگھٹ (جہاں ہندوؤں کو جلایا جاتا ہے) سے ڈرتے ہیں اور ہندوؤں کو مسلمانوں کے قبرستان سے ڈر لگتا ہے۔ لیکن دونوں اسی میں مرتے ہیں اور یہ دونوں ایک دوسرے سے خار کھاتے ہیں (دونوں کے لیے یہ بات لمحہ فکریہ ہے)۔

3۔ میری بکل میں چور ہے۔ کہیں تنگ نظر اور رسومات میں قید ہندو اور مسلمان (کتے رام داس کتے فتح محمد) قدیمی شور ڈالتے چلے آرہے ہیں۔ (مذہبی معاملات میں لڑتے جھگڑتے ہیں)۔ لیکن دونوں کا ہی جھگڑا مٹ جاتا ہے اور نکلا کچھ اور ہے۔ سالک کو جب مشاہدہ حق مل گیا تو (کفر و ایمان کے مابین) سارے تنازعے اور جھگڑے ختم ہو گئے۔

4۔ مری بکل میں چور ہے۔ پُر نور عرش پر جو اذانیں گونجیں، تو شہر لاہور تک سنی گئیں۔ پھر شاہ عنایت نے (اپنے مرید بلھے شاہ) کو (مچھلی پکڑنے کی) کنڈی ڈالی اور چوری چھپے ڈوری کھینچتے رہے (یعنی نورِ خداوندی اور اس کے فیضان کا ایک سلسلہ جو عرش بریں سے چلا ہے۔ بلھے شاہ کے مرشد حضرت شاہ عنایتؒ تک لاہور میں پہنچا اور پھر انہوں نے اسے بلھے شاہؒ تک پہنچایا)۔

5۔ میری بکل میں چور ہے۔ جس کسی نے تلاش کیا اس نے پالیا۔ وہ افسوس کر کے مایوس

نہ ہوا۔ ہمارا پیروں کا پیر تو بغداد میں ہے (یعنی شیخ عبدالقادر جیلانیؒ) ۔لیکن ہمارا مرشد (شاہ عنایتؒ) لاہور میں رہتا ہے۔

6۔ میری بغل میں چور ہے۔ (محبوب حقیقی مرے اندر ہے) تم سبھی یہی کہو کہ وہی پتنگ ہے اور وہی ڈور ہے۔ میں تمہیں یہ بات بتا رہا ہوں کہ تم اسے پکڑ لاؤ۔ بلھے شاہ" کا وہی چور (محبوب) ہے کیونکہ اس نے میرا دل چرایا ہے۔ اے دوست! محبوب حقیقی میرے اندر بس رہا ہے۔

بُلھے شاہؒ نے فرقہ بندی، مذہبی تعصب، رنگ ونسل سے بالاتر ہو کر قدرت کی پیدا کردہ مخلوق سے محبت کی ہے۔ ان کی نظر میں سب انسان یکساں اور قابلِ احترام وعزت ہیں۔ وہ دکھلاوے کے قائل نہیں۔ وہ ہر انسان میں خدا کا عکس دیکھتے ہیں کہ صناع اپنی صناعی میں موجود ہے۔ وہ آفاقی اور ہمہ گیر شاعر ہیں۔ وہ عام فہم شاعر ہیں۔ ان کی زبان کی سادگی کا یہ عالم ہے کہ وہ ہر ایک شخص کی سمجھ میں آجاتی ہے۔ ان کے کلام کا مقصد عشق الٰہی ہے۔ ان کا کلام دو دھاری تلوار کی مانند ہے جو اپنے اور غیر میں فرق نہیں رکھتا۔ دیگر صوفیائے کرام کی طرح ان کا بھی نہ کوئی فرقہ ہے نہ عام معنوں میں مذہب وذات برادری۔

وہ مذہب وذات برادری کی قید پر لعنت بھیجتے ہیں۔ ان کی نظر میں خدا اور خدا کی مخلوق سے محبت ہی ایمان ہے۔ باوجود تمام تر بے نیازی اور تصوف کے بُلھے شاہؒ اپنی اصلیت اور حیثیت سے پوری طرح باخبر تھے۔ جیسا کہ وہ کہتے ہیں:۔

بُلھا شاہ فقیر وچارا ، کر کے چلیا کوچ نگارا

جگ وچ روشن نام تہمارا ، جھوٹوں سب نتاریائی

ترجمہ :بُلھا شاہ تو ایک بیچارا فقیر ہے۔ وہ اب کوچ کا نقارا بجا کر جا رہا ہے۔ تمہارا تو ساری کائنات میں نام روشن ہے۔ ہم نے جھوٹ میں سے سب کو نکال کو ظاہر کر دیا ہے۔

اپنی حیثیت کا احساس دلاتے ہوئے بھی زبان کی سادگی اور بے نیازی کا بھی وہی عالم ہے۔

معرفت میں آ کر وہ اپنا تعارف لاجواب انداز میں کراتے ہیں۔

کیہ پُچھنا ایں ذات صفات میری
اوہو آدم والی ذات میری
نحن اقرب دے وچ گھات میری

(کافی 122)

ترجمہ : تو مجھ سے میری ذات صفات کے بارے میں کیا پوچھتا ہے؟ وہی جو آدم کی ذات ہے وہی میری ذات ہے۔ نحن اقرب (ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ہم تو شہ رگ سے بھی نزدیک ہیں) ہی میں میرا انداز پوشیدہ ہے۔ اور اس میں اللہ تعالیٰ کا راز مضمر ہے۔

انسانی ذات کی شناخت دینوی امتیازات نہیں ہیں۔ ذات نہ اچھی ہے نہ بری۔ اسے اپنے عوامل کے ذریعے حاصل کیا جاتا ہے۔

بلھا کیہ جاناں میں کون؟

بُلھے شاہؒ نے انسان کے روبرو اس کی اصل ذات کا سوال پیش کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ اے انسان! تو غور سے سوچ کہ تو کہاں سے آیا ہے اور تجھے کہاں جانا ہے؟ تو خود کیا ہے؟ بلھے شاہؒ نے اس کافی میں انسانی تشخص اور اس سے متعلق بعض خیالات کا اظہار کیا ہے اور اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ نفس انساں ذات خداوندی کا ایک پرتو ہے۔

جسم یا وجود روح کے سہارے قائم ہے۔ روح لافانی اور ازلی (ہمیشہ رہنے والی) ہے۔ یہ زندگی اور موت سے بالاتر ہے۔ یہ مذہبوں، ملکوں اور قوموں کی بندش سے آزاد ہے۔ یہ نیکی بدی، خوشی غمی، دوست دشمن وغیرہ ہر طرح کی تکرار سے بالاتر ہے یہ اربعہ (چار) عناصر کی پیدائش نہیں بلکہ لطیف، ذی شعور (خود آگاہ) اور پُر نور ہے۔ روح آفرینش سے پہلے بھی تھی اور اس کی ہستی قیامت کے بعد بھی قائم رہے گی۔

1۔ بلھا کیہ جاناں میں کون؟

نہ میں مومن وچ مسیتاں

نہ میں وچ کفر دیاں ریتاں

نہ میں پاکاں وچ پلیتاں

نہ میں موسیٰ نہ فرعون

2۔ بلھا کیہ جاناں میں کون؟

نہ میں اندر بید کتاباں

نہ وچ بھنگاں نہ شراباں

نہ وچ رنداں مست خراباں

نہ وچ جاگن نہ وچ سون

3۔ بلھا کیہ جاناں میں کون؟

نہ وچ شادی نہ غمناکی

نہ میں وچ پلیتی پاکی

نہ میں آبی نہ میں خاکی

نہ میں آتش نہ میں پون

4۔ بلھا کیہ جان میں کون؟

نہ میں عربی نہ میں لاہوری

نہ میں ہندی شہر نگوری

نہ ہندو نہ ترک پشوری

نہ میں رہندا وچ ندون

5۔ بلھا کیہ جان میں کون؟

نہ میں بھید مذہب دا پایا
نہ میں آدم حوا جایا
نہ میں اپنا نام دھرایا
نہ وچ بیٹھن نہ وچ بھون

6۔بلھا کیہ جان میں کون؟

اول آخر آپ نوں جاناں
نہ کوئی دوجا ہور پچھانا
میتھوں ہور نہ کوئی سیانا
بلھا اوہ کھڑا ہے کون ؟
بلھا کیہ جان میں کون ؟

(کافی نمبر 27)

ترجمہ: 1۔ بُلھا! کیا جانوں میں کون ہوں؟

نہ میں نمازی مومنوں میں شامل ہوں۔نہ میں کافروں کے مسلک میں شریک ہوں۔نہ میں بڑا پاک مومن ہوں اور نہ میں ملحد رندوں کی ہی کسی جماعت سے تعلق رکھتا ہوں۔(نہ میں پاکوں میں نہ ناپاکوں میں)۔نہ میں (حضرت) موسیٰ (ہوں) نہ فرعون ہوں۔

2۔ اے بُلھے شاہؒ میں کیا جانوں کہ میں کون ہوں؟

نہ تو میں فرقے اور مذاہب پر یقین رکھتا ہوں۔نہ میں مست خرابوں میں سے ہوں۔نہ میں جاگنے والوں میں سے ہوں اور نہ سونے والوں ہی میں سے۔یعنی شب زندہ دار ہوں نہ خواب غفلت میں مدہوش ہونے والوں میں سے ہوں۔

3۔ بُلھا کیا جانوں میں کون ہوں؟

نہ میں ناپاکی اور پاکیزگی میں ہوں۔ نہ خوشی میں نہ غم میں شریک ہوں۔ نہ میں پانی سے ہوں۔ نہ مٹی سے۔ نہ آگ سے ہوں، نہ ہوا سے یعنی میرا نفس ان اربعہ عناصر (پانی۔ خاک۔ آگ۔ ہوا) سے نہیں بنایا گیا۔ یہ کوئی اور ہی شے ہے جو ازلی اور دائمی ہے۔

4۔ بُلھا کیا جانوں میں کون ہوں؟

نہ میں عربی ہوں اور نہ ہی لاہوری اور نہ ہی ہند کے شہر نگور کا رہنے والا ہوں۔ نہ تو میں ہندو ہوں اور نہ ہی ہی ترک پشوری ہوں اور نہ ہی میں ندون شہر میں رہتا ہوں۔ یعنی میں وہ نہیں ہوں جو کسی ایک جگہ پر محدود ہو کر رہ جائے۔ میں تو ایک لامحدود شے ہوں۔ میں زمان و مکان کی حدود میں مقید نہیں رہ سکتا۔

5۔ بُلھا کیا جانوں میں کون ہوں؟

نہ میں نے دین کا راز پایا ہے۔ نہ میں آدمؑ سے ہوں نہ حوّا سے۔ (میرا نفس آدمؑ اور حوّا کے ملاپ کا نتیجہ بھی نہیں ہو سکتا۔ یہ کوئی اور شے ہے جو ازلی اور ابدی ہے)۔ نہ میں نے اپنا کچھ نام رکھوایا (بے نام ہوں)۔ نہ میں ثوابت میں ہوں نہ سیار میں۔ (نہ وچ بیٹھن نہ وچ بھون کا اشارہ ثوابت و سیار افلاک کی طرف بھی ہو سکتا ہے)۔

6۔ بُلھا کیا جانوں میں کیا ہوں؟

اپنے آپ کو ہی اوّل و آخر تصور کرتا ہوں۔ کسی دوسرے (غیر اللہ) کو میں نہیں پہنچانتا۔ مجھ سے بڑھ کر کوئی دانا نہیں۔ (وہ اپنے نفس ہی کو حقیقت اولیٰ سمجھتا ہے)۔ ایسے معلوم ہوتا ہے گویا کہ یک کوئی پردہ اٹھ گیا ہے اور بُلھے شاہؒ حقیقت کو مجسم اپنے سامنے پاتا ہے جو اس کی اپنی ذات سے الگ نہیں۔ اور کہہ اٹھتا ہے، دیکھ بُلھا شاہؒ! وہ سامنے کون کھڑا ہے؟

نوٹ : دیوان شمس تبریز کی ایک غزل کا مضمون بھی اسی قسم کا ہے۔ (دیوان شمس تبریز دراصل مولانا جلال الدین رومیؒ (1207-1273) کی تصنیف ہے۔)

رومیؒ:

چہ تدبیر اے مسلماناں کہ من خود را نمی دانم

اے مسلمانو! میں کیا کروں کہ میں اپنے آپ کو نہیں پہچانتا

نہ ترسا، نے یہودم من، نہ گبرم نے مسلمانم

نہ میں عیسائی ہوں نہ یہودی نہ آتش پرست اور نہ مسلمان

کلام بُلھے شاہؒ:

بُلھا کیہ جاناں میں کون

نہ میں مومن وچ مسیتاں

نہ میں وچ کفر دی ریتاں

نہ میں پاک آں وچ پلیتاں

رومیؒ:

نہ از خاکم نہ از آبم، نہ از بادم نہ از آتش

نہ میں خاک سے ہوں نہ پانی سے نہ ہوا سے اور نہ آگ سے

بُلھے شاہؒ:

نہ میں آبی نہ میں خاکی، نہ میں آتش نہ میں پون

رومیؒ:

نہ از ھندم نہ از چینم نہ از بلغار و سقینم

نہ ہندوستان سے ہوں، نہ چین سے نہ بلغار سے اور سقین سے

بُلھے شاہؒ:

نہ میں عربی نہ میں ہندی، نہ ہندو نہ ترک پشوری

رومیؒ:

نہ از آدم نہ از حوّا نہ از فردوس و رضوانم
نہ آدم سے ہوں نہ حوّا سے اور نہ بہشت سے نہ اہل بہشت سے
نہ از کان طبیعیم نہ از افلاکِ گردانم
نہ زمین کی کان سے ہوں، نہ گھومنے والے آسمان سے

بُلھے شاہؒ:

نہ میں بھیت مذہب دا پایا، نہ میں آدم حوّا جایا
نہ میں اپنا نام دھرایا، نہ وچ بیٹھن نہ وچ بھون

رومیؒ:

ھو الاوّل ھو الآخر ھو الظاھر ھو الباطن
وہی اول ہے اور وہی آخر اور وہی ظاہر ہے اور وہی باطن
بُجز یا ھُو یا من ھُو کسے دیگر نمی دانم
میں سوائے ہُو اور یا من ہُو کے کسی کو نہیں جانتا

بُلھے شاہؒ:

اوّل آخر آپ نوں جاناں
نہ کوئی دوجا ہور پچھانا

اسی موضوع پر شمس تبریز فرماتے ہیں:

من عاشقِ دیرینہ ام

من عاشقِ دیرینہ ام

عالم نہ بودؒ ، من بُدم

آدم نہ بودؒ من بُدم

حوّا نہ بود ،من بُدم

من عاشق دیرینہ ام

مولا باشد پیش من

من عاشق دیرینہ ام

ترجمہ :

میں پرانا عاشق ہوں

میں پرانا عاشق ہوں

جب دنیا نہ تھی ، تو میں تھا

جب آدم نہ تھا تو میں تھا

جب حوّا نہ تھی تو میں تھا

میں پرانا عاشق ہوں

میرے سامنے مولا کیا چیز ہے

میں پرانا عاشق ہوں

اسی قسم کا خیال بلھے شاہؒ نے اپنی ایک اور کافی میں کیا ہے۔

کیہہ جاناں میں کوئی وے اڑیا، کیہہ جاناں میں کوئی

جو کوئی اندر بولے چالے ، ذات اساڈی سوئی

جس دے نال میں نیونہہ لگایا ، اوہو جیہی ہوئی

چٹی چادر لاہ سُٹ کڑیئے ، پہن فقیراں لوئی
چٹی چادر نوں داغ لگے گا، لوئی نوں داغ نہ کوئی

(کافی نمبر:98)

ترجمہ :

میں کیا جانوں کہ میں کون ہوں ؟
ارے میں کیا جانوں کہ میں کون ہوں ؟
جوکوئی میرے اندر بولتا ہے وہ میری ہی ذات ہے
جس سے میں نے محبت کی ہے اس جیسا ہوگیا ہوں

اے لڑکی! یہ جو تو نے سفید چادر اوڑھ رکھی ہے، اسے اتار دے اور فقروں کی لوئی (کالے رنگ کا کمبل) اوڑھ لے۔ کیونکہ سفید چادر کو تو داغ لگ سکتا ہے اور لوئی کو کوئی داغ نہیں لگ سکتا۔ یعنی امیرانہ ٹھاٹھ چھوڑ دے اور فقیروں جیسا لباس پہن۔

اللہ سے رشتہ

بُلھے شاہؒ ہر چیز کا رشتہ اللہ سے جوڑتا ہے کہ سب کچھ اسی کا بنایا ہوا ہے۔ ہر شے میں اسی کا جلوہ نظر آتا ہے اور جو لوگ اس بھید کو نہیں پہنچانتے وہ دکھ جھیلتے ہیں۔

بُلھا شوہ اَساں تھیں وَکھ نہیں
بن شوہ تھیں دوجا کُکھ نہیں
پر ویکھن والی اَکھ نہیں
تاں ہی جان پئی دکھ سہندی اے
منہ آئی بات نہ رہندی اے

(کافی 113)

ترجمہ: بلھا محبوب سانس سے الگ نہیں۔ محبوب کے بغیر کسی کی کیا حیثیت (ذات محبوب

کے بغیر ایک تنکا بھی نہیں)۔لیکن (افسوس) ہمارے پاس دیدار کی اہل آنکھ کہاں۔تبھی (ہماری) جان دکھ برداشت کر رہی ہے۔

منہ پہ آئی بات کب رک سکتی ہے؟۔۔۔بلھے شاہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ خالق اور مخلوق ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں ہیں۔وہ ہر انسان کے اندر ہے اور وہیں سے مل سکتا ہے۔سچ کا اعلان کتنا اور اس پر دلیری سے ثابت قدم کرنا اس کافی کا مرکزی موضوع ہے۔بلھے شاہ دلیری سے اخلاقی اصول کی تلقین کرتا ہے کہ سب رکاوٹیں ہوتے ہوئے بھی انسان کو سچ بولنے سے ہچکچانا نہیں چاہیئے۔

جس پایا بھید قلندر دا
راہ کھوجیا اپنے اندر دا
اوہ واسی ہے سکھ مندر دا
جتھے کوئی نہ چڑھدی لہندی ہے
منہ آئی بات نہ رہندی

(کافی نمبر 113)

ترجمہ :جس نے قلندر (دین و دنیا سے آزاد آدمی) کا راز پالیا۔اس نے اپنے اندر کا راستہ معلوم کر لیا۔

وہ تو سکون کے مندر کا باسی ہے۔جہاں کوئی اونچ نیچ نہیں۔ہونٹوں پر آئی ہوئی بات بھلا کہاں رکتی ہے۔

اِتھے دنیا وچ انھیرا ہے
ایہہ تلکن بازی ویہڑا ہے
وڑ اندر ویکھو کیہڑا ہے

کیوں خلقی باہر ڈھونڈیندی ہے
منہ آئی بات نہ رہندی ہے

(کافی نمبر 113)

ترجمہ : یہاں دنیا میں ہر طرف اندھیرا ہے۔ یہ وہ آنگن (دنیا) ہے جہاں پھسلن ہی پھسلن ہے۔ (اپنی ذات کے) اندر داخل ہو کر دیکھو کہ کون موجود ہے۔ (میں حیران ہوں کہ) لوگ "اسے" باہر کیوں تلاش کرتے پھرتے ہیں۔ ہونٹوں پر آئی بات کب رکتی ہے؟

باخبر صوفی شاعر

بُلھے شاہؒ ایک باخبر اور محتاط صوفی شاعر ہے۔ اس کو اس بات کا اچھی طرح علم ہے کہ مشہور صوفی منصور حلاج نے انا الحق (میں ازلی قائم رہنے والا سچ ہوں۔ خدا ہوں) کا نعرہ مارا تو اسے سولی پر چڑھایا گیا۔ اس کو سرمد کے انجام کا پتہ تھا۔ اس کے باوجود وہ اپنے دل کی آواز کو روک نہیں سکا۔ وہ اس کا برملا اعلان کرتا ہے۔ مگر بڑے محتاط انداز میں۔

جدوں ظاہر ہوئے نُور ہوری
جل گئے پہاڑ کوہ طور ہوری
تدوں دار چڑھے منصور ہوری
اوتھے شیخی میںڈی نہ تینڈی اے
منہ آئی بات نہ رہندی ہے

(کافی نمبر 113)

ترجمہ : جب نور کا ظہور ہوا تو کوہ طور جل کر راکھ ہو گیا۔ منصور کو دار (سولی) پر چڑھنا پڑا۔ وہاں میری تیری کوئی شیخی نہیں چلتی۔ ہونٹوں تک آئی بات کب تک رکتی ہے (میں خود کو بولنے سے نہیں روک سکتا)۔

منصور کو بُلھے شاہؒ اپنی مستی اور رندی میں ہمیشہ یاد رکھتا ہے اور اس کو قصوروار نہیں ٹھہراتا۔

''انا الحق'' آپ کہایا لوکا
منصور نہ ویندا آپے ہوکا
ملاں بن بن آون نیزے

(کافی نمبر 37)

ترجمہ :خدانے خود ہی ''انا الحق'' کہلوایا، ورنہ منصور کبھی یہ نعرہ نہ لگاتا۔ملاں تو یونہی اکڑ کر اس کو پھانسی چڑھانے کے لئے چل پڑے تھے۔

بلھے شاہؒ اس کی وضاحت اور تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

بھر کے وحدت جام پلائیو
منصورے نوں مست کرائیو
اُس توں ''انا الحق'' آپ کہا ئیو
پھر سُولی پکڑ چڑھایوئی
سئیو ہن میں ساجن پائیوئی
ہر ہردے وچ سما ئیوئی

(کافی نمبر 75)

ترجمہ :اس نے وحدت کا ایسا جام بھر کر پلادیا کہ منصور حلاج کو مست کر دیا۔اور پھر خود ہی اس سے انا الحق کہلوایا اور پھر اسے پکڑ کر سولی پر چڑھوادیا۔

سہیلیو! میں نے اپنا محبوب پالیا ہے۔وہ تو ہر چیز میں سمایا ہوا ہے۔

ان تمام باتوں کو جانتے بوجھتے ہوئے بھی بلھے شاہؒ شریعت کا پورا خیال رکھتے ہوئے ،آگاہ کرتا ہے۔

بلھیا غیر شرع نہ ہو
سکھ دی نیندر بھر کے سو

(کافی نمبر 41)

ترجمہ: اے بلھے شاہؒ اگر تو سکھ کی نیند سونا چاہتا ہے تو شرع کے خلاف نہ جانا۔ تو اپنے منہ سے انا الحق کا نعرہ مت لگانا۔ ورنہ تجھے بھی سولی پر چڑھا دیا جائے گا۔

ایہہ پڑھنا علم ضرور ہویا
پردسنا نا منظور ہویا
جس دسیا سو منصور ہویا
اس سولی پکڑ چڑھایا اے

(کافی نمبر 48)

ترجمہ: یہ علم ضرور پڑھنا ہے لیکن بتانے کی اجازت نہیں ہے۔ جس نے بتا دیا وہ منصور کی طرح سولی پر چڑھا دیا جائے گا۔

تیری وحدت توئیں بجھاویں
انا الحق دی تار ہلاویں
سولی تے منصور چڑھاویں
اوتھے کول کھلو کے ہسدے ہو
کہوں لا مکانی وسدے ہو
تسی ہر رنگ دے وچ وسدے ہو

(کافی نمبر 90)

ترجمہ: تم اپنی توحید کی پوجا کرواتے ہو اور منصور کے منہ سے انا الحق بھی کہلواتے ہو۔ پھر منصور کو پکڑ کر سولی پر چڑھا دیتے ہو پھر پاس ہی کھڑے ہو کر مسکراتے ہو۔

وہ کون ہے جسے تم لا مکانی بتاتے ہو؟ تبھی تو ہر رنگ میں بس رہے ہو۔

میں پیالہ تحقیق لیتا اے
جو بھر کے منصور پیتا اے
دیدا معراج پیا لیتا اے
میں لہو تھیں وضو سجایا اے

(کافی نمبر 114:

ترجمہ : میں نے منصور کے پیالے کی تحقیق کی ہے۔یعنی اس کی اصلیت کو میں نے جان لیہ ہے۔محبوب کا دیدار کر کے معراج حاصل کر لی ہے اور اپنے لہو سے وضو کیا ہے

منصور تساں تے آیا اے
تساں سُولی پکڑ چڑھایا اے
میرا بھائی بابل جایا اے
دیہو خون بہا میرے بھائی دا
ہن کس تھیں آپ چھپائی دا

(کافی 154

ترجمہ : منصور نے جب آپ کی طرف رجوع کیا تو آپ نے اسے پکڑ کر دار (سولی) پر لٹکا دیا۔

(وہ) میرا بھائی اور میرے باپ کا بیٹا ہے۔اب میرے بھائی کا خون بہا مجھے ادا کرو۔اب کس سے اپنا آپ چھپا رہے ہو؟

آخر پر بلھے شاہؒ اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ:

جے ظاہر کراں اسرار تائیں
سبھ بھل جاون تکرار تائیں

پھر مارن بُلھے یار تاہیں
ایتھے مخفی گل سوہیندی ہے
منہ آئی بات نہ رہندی ہے

(کافی نمبر 113)

ترجمہ :اگر میں اسرار خدا ظاہر کر دوں تو سب کو تکرار اور بحث مباحثے بھول جائیں گے اور یہ اپنے دوست بُلھے شاہؒ کو پکڑ کر مارنا شروع کر دیں گے لہٰذا یہاں بات کو مخفی رکھنا ہی اچھا ہے یعنی راز کو راز رکھا جائے۔ گو ہونٹوں پر آئی ہوئی بات بھلا کہاں رکتی ہے۔ (میں خود کو بولنے سے نہیں روک سکتا)۔

اَساں پڑھیا علم تحقیقی اے
اوتھے اکو حرف حقیقی اے
ہور جھگڑا سبھ ودھیکی اے
اینویں رولا پایا بہندی اے
منہ آئی بات نہ رہندی اے

(کافی نمبر 113)

ترجمہ :ہم نے علم تحقیق پڑھ رکھا ہے۔ وہاں فقط ایک ہی حقیقی حرف ہے۔ باقی سب جھگڑا فالتو ہے۔ خلقت نے بے کار شور مچا رکھا ہے۔ ہونٹوں پر آئی ہوئی بات بھلا کہاں رکتی ہے۔

وہ باشرع صوفی جنھوں نے شریعت اور طریقت پر گہرائی کے ساتھ عمل کیا ہے۔

انھوں نے صوفی ہونے کے لئے علمِ شریعت کے مطالعے کو بھی شرطِ اوّل تسلیم کیا ہے

لیکن بلھے شاہ کا تعلق ان بے شرع صوفیوں کے گروہ سے ہے جو اس طرح نہیں سوچتے۔ وہ ویدوں، قرآن، اور مذہبی صحیفوں کو دنیاداروں کی چیز سمجھتے ہیں، خدا رسیدہ لوگوں کی نہیں، ان کے مطالعے سے خدا کا عرفان نہیں ملتا، وہ علم جو عشقِ الٰہی سے ملتا ہے۔ وہی سودمند ہوتا ہے۔

بلھے شاہ کا مسلم طرزِ فکر کے وحدت پرستانہ مکتب سے تعلق ہے جو صرف 'ذاتِ مطلق' پر یقین رکھتا ہے۔ یعنی ہر شے خدا یا ہر شے میں جو ہر ذات خدا موجود ہے۔ یہ مکتبِ فکر "وجودیہ" کے نام سے موسوم ہے۔ بلھے شاہ کا بیان ہے:

ئسی سبھنیں بھیسیں تھیندے ہو
میں نوں ہر جا ئسی دیندے ہو

ترجمہ: تم تمام بھیسوں میں موجود ہو۔ تم ہر جگہ دکھائی دیتے ہو۔

کتے بیری ہو کتے بیلی ہو
کتے مجنوں ہو کتے لیلی ہو
کتے آپ گرو کتے چیلی ہو

(کافی نمبر 128)

ترجمہ: کہیں وہ دشمن ہے کہیں دوست ہے
کہیں وہ مجنوں ہے کہیں وہ لیلیٰ ہے۔ کہیں وہ مرشد ہے۔ کہیں مرید ہے۔

کدی ہو اَسمانی بہندے ہو
کدی اس جگ تے دکھ سہندے ہو

ترجمہ: کہیں تم بہشت میں تشریف فرما ہو جاتے ہو اور کہیں اس دنیا کے غموں کو سہتے ہو۔

ایسی مثالوں کو اور بھی پیش کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ ویدانت میں بیان کیا گیا ہے کہ بہت سی قسم کے زیورات سونے کے بنائے جاتے ہیں۔ بلھے شاہ نے مٹی کی مثال دیتے ہوئے کہا ہے کہ اس سے جاندار اشیاء اور دوسری چیزیں پیدا کی گئی ہیں۔ ان کا بیان ہے۔

واہ واہ ماٹی دی گلزار
ماٹی گھوڑا ، ماٹی جوڑا ، ماٹی دا اسوار
ماٹی ماٹی نوں دوڑاوے ماٹی دا کھڑ کار

ترجمہ: مٹی کا باغ کس قدر شاندار ہے

گھوڑا، لباس کا جوڑا، اور گھوڑ سوار سب مٹی کے ہیں

مٹی مٹی کو دوڑا کر شور سر کرا کے مٹی کو جنم دیتی ہے۔

جہاں بلھے شاہؒ کی شاعری پر ایک طرف مسلم صوفی روایت کا واضح اثر نمایاں ہے تو دوسری طرف ویدانتی فلسفہ، بابا گورو نانک کے تصورات اور ہندی بھگتی شاعری نے بلھے شاہؒ کی فکری اساس کو بھی کسی حد تک متاثر کیا تھا۔ ویدانت ایک روحانی فلسفہ ہے جس کی تفصیل اپنشد میں درج ہے۔ یہ وہ احساس ذات ہے جو فرد کو (برہمن) حقیقت اولیٰ تک لے جاتا ہے۔ اس سے الگ کسی شئے کا وجود نہیں ہے۔ کائنات برہمن ہے۔ کائنات میں خیر شر نظروں کا دھوکہ ہے۔ ویدانتی فلسفہ میں ایک سے زیادہ دبستان ہیں۔ ایک خدا کے شخصی وجود پر یقین رکھتا ہے۔ دوسرا خدا یا ایشور کو کائنات سے الگ مانتا ہے۔

علی عباس جلال پوری نے ڈاکٹر تارا سنگھ کے حوالے سے تحریر کیا ہے کہ ویشنو مت میں وحدانیت کا تصور اسلام کے اثر کا نتیجہ ہے بھگتی شعرا میں خدا سے بے پایاں عقیدت اسلام کی بدولت ہے۔ چنانچہ یہ کہنا کہ بلھے شاہ کا تصوف ویدانتی فلسفہ کا نتیجہ تھا، مبالغہ آمیز ہے۔

تمام صوفیا اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ کائنات ذاتِ احد سے نکلی ہے۔ کائنات خدا سے لگ نہیں۔ خدا اس کائنات میں رچا بسا ہوا ہے۔ ہمہ اوست، وحدت الوجود اور ہری ہر تمام ایک ی چیز ہے۔ بلھے شاہ نے وحدت کی جستجو میں اسلامی اور ہندو صوفیانہ رویوں کو یکجا کیا ہے۔ قادریہ سلسلہ کے ایک اہم درویش شیخ غوث گوالیاریؒ، حضرت میاں میرؒ، شاہ عنایت قادریؒ اور اراشکوہ نے ویدانیت کے فلسفہ اور ہندو فلسفیانہ افکار کو مطالعہ کیا تھا۔ داراشکوہ نے تو پچاس پنشدوں کا فارسی میں ترجمہ بھی کیا تھا۔ شاہ عنایت قادریؒ نے اپنی کتاب دستور العمل میں ہندوؤں میں مکتی (نجات) حاصل کرنے کے کئی طریقے بتائے ہیں۔ پنجابی کے صوفی شعراء نے

وحدت الوجود کے تصور کو اپنایا۔ بُلھے شاہؒ کی سوچ صرف ایک مذہب تک محدود نہیں رہی۔ وہ بنیادی طور پر انسانیت کا شاعر ہے جو تمام سماج اور مذہبی تفرقات کو ختم کرنے کی خواہش رکھتا ہے۔

بُلھے شاہؒ کے عہد میں کوئی ایسا فلسفہ سامنے نہیں آیا تھا جس کے سہارے سماج کے کھڑے گندے پانی کے نکاس کا بندوبست ہو سکے اور چلتے دریا کی صورت اختیار کر لے اس لیے بُلھے شاہؒ کے نزدیک "لا" کی منزل تو بڑی زوردار ہے مگر اثبات کی منزل کے لئے جو جو حوالے بُلھے شاہؒ کے پاس تھے ان کی معنوی وسعت اس قدر نہ تھی کہ تصوف کی روایتی شاعری میں سے انہیں الگ کر کے دیکھا جا سکے اور بُلھے شاہؒ کے ماننے والے اس اثبات کے فلسفہ کو لے کر ٹھہرے گندے پانی کے نکاس کا بندوبست کر سکے۔ تاہم بلھے شاہ نے اس پانی میں جو پتھر پھینکے تھے ان کی چھینٹوں سے اس عہد کے "اشرافوں" کے کپڑے اور بھی تربتر ہو گئے۔ جس کی سزا بُلھے شاہؒ کو دی گئی کہ قصور کے حاکموں نے بُلھے شاہؒ کو کافر قرار دے کر اس کی نماز جنازہ تک پڑھنے کی ممانعت کر دی۔ معاشرہ کے بد باطن، بدعنوان اور بددیانت حکمران طبقے سے بُلھے شاہؒ کو بھی خراج عقیدت ملا۔ بُلھے شاہؒ پنجابی کا واحد شاعر ہے جسے کفر کے فتوؤں کا سامنا جیتے جی بھی کرنا پڑا اور مرنے کے بعد بھی انحطاط پذیر حکمران طبقوں سے یہی سوغات ملی۔ لیکن غیر منظم عوام کی طرف سے اس باغی شاعر، باغی صوفی کو گذشتہ دو سو سے زائد برسوں سے خراج عقیدت مل رہا ہے۔ وہ جو اپنے عہد میں کافر تھا مرنے کے بعد علیہ رحمتہ بن کر اپنے مزار کو عوام کا دربار بنا گیا۔

بلھے شاہؒ کا عھد

حضرت بلھے شاہؒ کا زمانہ مغلیہ سلطنت کے انحطاط اور زوال کے قریب کا دور تھا۔ معاشرہ پر
ہی کے آثار بری طرح نمودار ہو چکے تھے مذہب کی روح اختتام پر تھی۔ پر آشوب اور پر فتن دور
۔ تاریخ و تحقیق کی روشنی میں بتلایا گیا ہے کہ اس دور میں سماجی و مذہبی حالت بدتر تھی۔ انسانوں
ں کہتری و کمتری کا رواج بدستور قائم تھا۔ خدا پرستی کی بجائے نفس پرستی اور توہم پرستی کی رسومات
ی تھیں۔ حکمران طرح طرح کی داخلی شورشوں اور خارجی خلفشار سے دوچار تھے۔ صوبائی ناظم
ام' مرکز کی کمزوری اور بربادی سے فائدہ اٹھا کر خود مختار حاکم بنتے جا رہے تھے۔ سارے
روستان میں گویا پورے طور پر بدامنی اور طوائف الملوکی پھیلی ہوئی تھی۔ سکھ سرزمین پنجاب میں
ر پکڑتے جا رہے تھے۔ مغلیہ سلطنت کے عمال پنجاب میں اس قدر کمزور ہو چکے تھے کہ
یند اروں سے اپنے لئے مالیہ بھی وصول نہ کر سکتے تھے۔ تب لٹیروں نے ہمہ جہت غارت گری
لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم کر دیا' ہر قصبہ' ہر قریہ مار دھاڑ اور خون و خونریزی کی لپیٹ میں آ گیا۔
ئی قصبہ اور گاؤں ایسا نہ رہا جو لوٹ مار اور قتل و غارت سے بچا ہو۔ سکھ گردی نے پنجاب
صوص لاہور اور اس کے گرد و نواح کے علاقوں میں وہ کھلبلی مچائی کہ مسلمانوں کی سماجی اور دینی
گی پامال کر کے رکھ دی۔ ناظمان لاہور بالخصوص نواب عبدالصمد خان دلیر جنگ بہادر اور آپ
نامور فرزند نواب ذکریا خاں خان بہادر نے اس سیلاب کو روکنے کی بہت کوشش کی مگر سکھوں کا
قان بدتمیزی کسی طرح ختم نہ ہو سکا۔

بلھے شاہؒ کا دور حیات 1680ء سے شروع ہو کر 1757ء تک رہا اس کے ایک حصے میں مغل

شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کا زمانہ (1658ء تا 1707ء) اور دوسرے حصے میں اس کے جانشینوں' بہادر شاہ اول (1707ء تا 1712ء) جہاندار شاہ (1712ء تا 1713ء)' فرخ سیر (1713ء تا 1718ء)' محمد شاہ (1728ء تا 1747ء) احمد شاہ (1748ء تا 1754ء) اور عالمگیر ثانی (1754-1759ء) کا دور حکومت آتا ہے۔ بلھے شاہؒ کی ولادت اورنگ زیب عالمگیر کے دور حکومت کے 21ویں سال میں ہوئی جب اورنگ زیب کی وفات ہوئی تو بلھے شاہؒ کی عمر 27 برس تھی۔ اپنی زندگی کے باقی 51 برس بلھے شاہؒ نے اورنگ زیب عالمگیر کے مذکورہ جانشینوں کے عہد حکومت میں گزارے۔

یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ حضرت بلھے شاہؒ کا تعلق 12ویں صدی عیسوی کے اس دور سے ہے جو برصغیر اور خصوصاً پنجاب کی تاریخ کا انتہائی پر آشوب زمانہ تھا۔ اس کا اظہار خود بلھے شاہؒ کی کافیوں سے ہوتا ہے۔

جدوں اپنی اپنی پے گئی
دھی ماں نوں لٹ کے لے گئی
منہ بارھویں صدی پساریا
سانوں آمل یار پیاریا

(کلیات بلھے شاہؒ کافی 69)

ترجمہ: جب ہر کسی کو اپنی اپنی پڑ گئی۔ (نفسا نفسی کا عالم تھا۔ ہر ایک خود غرض ہو گیا) بیٹی نے ماں کو لوٹ لیا۔ بارہویں صدی ہجری کا سورج طلوع ہو گیا ہے۔ اے محبوب آ اور ہم سے مل لے۔

زوال کا آغاز

مغلوں کے آخری مستحکم بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر کی وفات 1707ء میں عہد مغلیہ کے تابوت میں آخری کیل ثابت ہوئی۔ اورنگ ذیب کے بعد تخت نشینی کی افسوسناک طویل جنگ میں کامیاب و کامران ہونے والا اورنگ کا بیٹا باپ کی موت کی خبر سن کر کابل سے دلی کی طرف

روانہ ہوا اور لاہور کے قریب آ کر اس نے اپنے بادشاہ ہونے کا اعلان کر دیا۔ بہادر شاہ کے پانچ سالہ دور میں پنجاب میں کیا کیا معرکے نہیں ہوئے۔ مغلوں کی اندرونی کشمکش نے سکھوں کی یلغاروں کو تقویت پہنچائی۔ مغل شہزادوں کے درمیان حصول اقتدار کی جنگ جاری رہی۔ محلاتی سازشوں نے عوامی زندگی کا تمام نظم وضبط درہم برہم کر دیا۔

شاہنواز حاکم لاہور اور آدینہ بیگ حاکم جالندھر دوآب ایسے لوگ پنجاب میں اپنا اقتدار برقرار رکھنے کے لئے مرکزی حکومت کے خلاف احمد شاہ ابدالی کو پکارنے لگے 1752-53ء (1666ھ) میں میر منوں کی وفات کے بعد پنجاب پر ایک ایسا وقت بھی آیا جب مغلانی بیگم ایسی مشکوک کردار کی عورت لاہور کی تقدیر کی مالک بنی اور پنجاب کے ایک انتہائی اہم علاقے کا نظم ونسق خواجہ سراؤں کے ہاتھ آ گیا۔

مغل شہزادوں کے درمیان حصول اقتدار کی جنگ جاری رہی۔ بہادر شاہ کی وفات 24 فروری 1712ء کے وقت اس کے چاروں بیٹے لاہور میں تھے بڑا معز الدین تھا۔ اس کے پاس نہ فوج نہ خزانہ دوسرا لڑکا عظیم الشان تھا سب بھائیوں میں قابل، مگر تیسرا رفیع الشان جو بڑے سے سخت حسد کرتا تھا۔ اس کے بعد جہان شاہ تھا جو حد درجہ نا اہل تھا۔ مغل جرنیل ذوالفقار نے تینوں بھائیوں معز الدین، رفیع الشان اور جہان شاہ کو عظیم الشان کے خلاف متحد کر لیا اسی اثناء میں مختلف، امراء کسی نہ کسی شہزادے سے گٹھ جوڑ میں مصروف رہے ناپسندیدہ عناصر نے لاہور اور اطراف میں لوٹ مار شروع کر دی، تینوں بھائیوں اور مغل جرنیل ذوالفقار نے شہزادہ عظیم الشان کے کیمپ کا محاصرہ کر لیا۔ 15 مارچ کو جنگ ہوئی۔ 17 مارچ کو عظیم الشان پر دوسرا بڑا حملہ ہوا۔ گھمسان کی جنگ ہوئی۔ ہاتھی کے ساتھ عظیم الشان بھی اس دلدل میں پھنس کر ہلاک ہو گیا۔ اب مال غنیمت پر بھائیوں میں جھگڑا شروع ہوا۔ معز الدین اور جہان شاہ میں 22 مارچ کو جنگ ہوئی۔ معز الدین کو شکست ہوئی۔ وہ بھاگ نکلا مگر فاتح جہان شاہ گولی لگنے سے ہلاک ہوا۔ اور یوں جہاندار شاہ 22 جون کو لاہور سے دلی روانہ ہوا۔ جہاں وہ ہندو داشتہ لال کماری کے ساتھ شب وروز عیش

وعشرت میں مشغول ہو گیا۔ جہاندار شاہ نے اپنے مختصر دور حکومت میں تخت و تاج سمیت کر لال کماری کے قدموں میں ڈال دیے۔ لال کماری ایک گھٹیا درجے کی طوائف تھی۔ "کیمرج ہسٹری آف انڈیا" کے مطابق کپڑوں اور زیورات کے علاوہ لال کماری کو حکومت کی طرف سے دو کروڑ روپے سالانہ وظیفہ ملتا تھا جبکہ فوجی اور سول افسران بھوکوں مر رہے تھے۔ جہاندار شاہ ایک عیاش اور نااہل حکمران تھا۔ اس کے بعد فرخ سیر، رفیع الدرجات اور محمد شاہ وغیرہ سب امراء کے ہاتھوں میں کھیلنے والے کٹھ پتلی حکمران تھے۔

پنجاب میں افراتفری

پنجاب میں سب سے یادہ افراتفری اور خوف و ہراس سکھوں نے پھیلایا۔ انہوں نے بندہ بیراگی کی زیر قیادت اپنی انتقامی کارروائیوں کا آغاز 1709ء میں سمانہ اور سرہند کو لوٹ کر کیا اس نے غارت گری کی انتہا کر دی گیان سنگھ اپنی کتاب "شمشیر خالصہ" حصہ دوم کے صفحہ 187 میں تحریر کرتا ہے کہ سکھوں نے مسلمانوں کو ککڑی گاجر کی طرح کاٹنا شروع کر دیا جو سامنے آیا کسی کو نہ چھوڑا۔ لشکر نے تمام شہروں کو لوٹا۔ بندہ نے مسلمانوں کی لاشوں کو آگ میں جلانا شروع کیا جتنی مساجد اور عبادت گاہیں تھیں وہ سب مسمار کرا دیں۔ مسلمانوں کی قبریں کھدوا کر ان کی ہڈیاں تک آگ میں جلوا دیں مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں سب کو قتل کیا گیا، حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کر کے بچے زمین پر پٹخ دیے گئے۔

بندہ بیراگی

بلھے شاہ ابھی عالم کون و فساد میں تشریف نہیں لائے تھے۔ ریاست پونچھ (کشمیر) کے قصبہ راجوری میں ایک متعصب ڈوگرا رام دیو رہائش پذیر تھا۔ 1670ء میں اس کے ہاں بچے نے جنم لیا جس کا نام لچھمن دیو رکھا گیا۔ بچپن میں وہ ایک عام کھلنڈرا لڑکا تھا۔ پڑھائی سے کوئی دلچسپی نہ تھی اور سفاکی اس کی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ گھوڑ سواری، تیر اندازی اور شکار اس کے

تین ہی شوق تھے۔ ایک اس نے ایک ہرنی شکا کی۔ جب وہ ہرنی کے گلے پر خنجر چلانے تو ہرنی نے رحم طلب نگاہوں سے اسے دیکھا۔ شکاری کا دست ستم لرزہ ضرور مگر وہ اپنی کارروائی سے باز نہ آیا۔ ذبحہ کرنے کے بعد لچھمن نے جب ہرنی کا پیٹ چاک کیا تو دو چھوٹے چھوٹے بچوں وہاں دیکھ کر حیران اور پریشان رہ گیا۔ ہرنی کی رحم طلب نگاہوں کا مطلب اسے اب سمجھ آیا تو اسے خود سے گویا نفرت ہوگئی اس حادثے نے لچھمن کی زندگی کا رخ تبدیل کر دیا۔ وہ کاروبار دنیا کو تج کر جنگلوں پہاڑوں کی طرف جا نکلا اس وقت اس عمر صرف پندرہ برس تھی۔

اس بن باس کے دوران اس کی ملاقات ایک بیراگی جانکی پرشاد سے ہوئی۔ اس نے اسے دیکھا تو کہا" بالک میرے چرنوں میں آجا۔ میں تجھے سکھ مندر کی سیر کراؤں گا۔ لچھمن بیراگی کے چیلوں میں شامل ہوگیا جس نے اسے مادھوداس بتا دیا۔ اب وہ بیراگیوں کے گروہ کے ساتھ نگر نگر گھومنے لگا۔ اور یوں سرزمین قصور سے متعارف ہوا۔ بابا رام تھمن کی سمادھی پر میلہ منعقد ہوا جہاں جانکی پرشاد سے ایک بڑا بیراگی رام داس اپنے شعبدے (چمتکار) دکھا رہا تھا۔ مادھوداس (لچھمن) نے جانکی کو چھوڑا اور نئے بیراگی رام داس کو اپنا گورو مان لیا۔ اب وہ تپسیا کی چکی میں پسنے لگا۔ آخر کار اسے برصغیر کے مشہور یوگی آگر ناتھ نے روحانی دنیا سے آشنا کیا اور 1691ء میں اپنی موت سے پہلے اس نوجوان بیراگی کو اپنا جانشین مقرر کر گیا۔

21 برس کی عمر میں اس نوجوان بیراگی (لچھمن) کے چمتکاروں کی دھوم مچ گئی۔ نانڈیر کے مقام پر اس نے ایک خانقاہ کی بنیاد رکھی اور یوگا کے ایسے ایسے مظاہرے کرنے لگا کہ سادہ لوح عوام اس کی غلامی پر فخر کرنے لگے۔ رفتہ رفتہ اس کا حلقہ اثر وسیع تر ہونے لگا۔ اس کے بعد اس کے سر میں فتور آنے لگا جس کا اظہار اس کی زبان سے بھی ہوتا تھا۔ تاہم ہر طرف اس مادھوداس بیراگی کی دھوم تھی۔ یہی وہ زمانہ تھا جب اس کی مڈبھیڑ گورو گوبند سنگھ سے ہوئی۔

گورو گوبند سنگھ اس زمانے میں شہزادہ شاہ عالم کے ہمراہ دکن میں شہزادہ کام بخش کی بغاوت فرو کرنے میں مصروف تھے۔ مغل حکومت اور سکھ پنت کے تعلقات پر مذاکرات بھی جاری تھے جو

مختلف وجوہات کی بنا پر بری طرح ناکام ہو گئے۔ گورو جی مغل لشکر سے علیحدگی اختیار کر کے نانڈیر چلے گئے۔ مادھولال بیراگی کی شہرت سن کران کے کان کھڑے ہوئے۔ گورو جی زبردست مردم شناس تھے۔ بیراگی کی کٹیا میں ملاقات کے لئے گئے۔ تو بیراگی وہاں موجود نہیں تھا۔ آپ بہت بے تکلفی سے بیراگی کی چارپائی پر بیٹھ گئے۔ بیراگی کے چیلوں نے حیل حجت کی مگر گورو جی بھی تہا نہیں تھے۔ بیراگی کی تشریف آوری ہوئی تو وہ اپنی چارپائی پر گورو جی (اجنبی) کو دیکھ کر آگ بگولا ہو گیا۔ اس طرح "دو طاقتوں" کا ٹکراؤ ہو گیا۔

بیراگی نے اپنی ودیا کے بل بوتے پر چارپائی الٹنے کی کوشش کی مگر گورو جی ٹس سے مس نہ ہوئے۔ بلکہ زیر لب مسکراتے رہے۔ بیراگی کو یقین ہو گیا کہ اونٹ پہاڑ کے نیچے آ گیا۔ چنانچہ اس نے گورو جی کو گورپائی کا صدق دل سے اعتراف کر لیا۔ اب وہ گورو گوبند سنگھ کا بندہ (یعنی غلام) تھا۔ اس طرح لچھمن داس "بندہ بیراگی" بن گیا۔ یہی وہ دور ہے جب گورو جی پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ سو انہوں نے پہلی فرصت میں بندہ بیراگی کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ اپنے ترکش سے پانچ تیر اپنے جانشین کو عطا کیے۔ بہادر کا خطاب کیا۔ فتح و نصرت کی نوید دی اور اپنے پانچ وفادار "بنود سنگھ، کاہن سنگھ، باج سنگھ، دیا سنگھ اور ران سنگھ" اس کے حوالے کیے اور بندہ بیراگی بہادر کو مغل سلطنت سے ٹکرا جانے کا حکم دیا۔ یہی پانچ افراد جو بندہ بیراگی کی معاونت پر گورو جی نے مقرر فرمائے تھے۔ سکھ اتہاس میں "پنج پیارے" کے نام سے مشہور ہوئے۔ بعد میں یہ اصطلاح مستقل صورت اختیار کر گئی اور ہر دور میں سکھ پنت کے انتظامی امور پنج پیارے ہی سرانجام دینے لگے۔

1748ء میں دل خالصہ کے تحت سکھ جتھوں کو گیارہ مثلوں میں منظم کر کے مختلف علاقے انہیں سونپ دیئے گئے یعنی پنجاب میں گیارہ بے تاج حکومتیں قائم ہو گئیں۔ یہ وہ دور ہے جسے تاریخ میں "سکھا شاہی" کا نام دیا جاتا ہے مختصر یہ کہ سکھوں نے 1709ء سے رنجیت سنگھ کی باقاعدہ حکومت قائم ہونے تک تقریباً ایک صدی پنجاب کو خوف و ہراس' انتشار اور بے اطمینانی کا شکار رکھا۔ پنجاب کے جو شہر سکھ مثلوں کے ہاتھوں بری طرح لٹے ان میں قصور بھی شامل ہے' جسے

1763ء (77-1176ھ) میں ہری سنگھ بھنگی اور جے سنگھ کنہیا نے لوٹا اور پھر بعد میں جھنڈا سنگھ بھنگی نے بھی اسے نشانہ بنایا۔

غیر ملکی حملے

ادھر حکمران طبقے کی یہ حالت تھی اور ادھر نادر شاہ اور احمد شاہ ابدالی کے حملوں نے رہی سہی کسر پوری کر دی 1738ء میں نادر شاہ نے پنجاب کو روندتے ہوئے دہلی میں خون کی ندیاں بہاں دیں۔ پھر احمد شاہ ابدالی نے 1747ء سے 1769ء تک برصغیر پر 9 حملے کئے اور یہ طوفان بھی ہر بار پنجاب کے سینے سے گزرا۔ ابدالی نے پہلا حملہ شاہنواز حاکم لاہور کی درخواست پر کیا۔ اور چوتھا حملہ نومبر 1756ء میں مغلانی بیگم کی دعوت پر کیا۔ وہ 29 جنوری 1757ء کو دہلی میں داخل ہوا اور پھر ایک ماہ تک لوٹ مار اور قتل و غارت کے بعد جب واپس ہوا تو لوٹ کا مال ہزاروں ہاتھیوں' اونٹوں' گھوڑوں اور گدھوں پر لدا ہوا تھا۔ لوٹ کے مال میں شاہی حرم کی عورتیں بھی شامل تھیں۔ آدینہ بیگ نے لاہور کی حکومت حاصل کرنے کے لئے 1758ء میں افغانوں کے خلاف مرہٹوں کو آواز دی چنانچہ وہ بھی پنجاب کو تاراج کرنے کے لئے آموجود ہوئے اور 75 لاکھ روپے کے عوض آدینہ بیگ کے ہاتھ لاہور کی صوبیداری بیچ گئے۔

یہ اس زمانے کے سیاسی حالات کا ایک مختصر سا خاکہ ہے جس میں بلھے شاہؒ ایسے حساس صوفی شاعر نے آنکھ کھولی' یہ سارے حالات ان کی آنکھ کے سامنے رونما ہوئے۔

بلھے شاہؒ اپنے دور کا بیباک ترجمان

بلھے شاہؒ نے پنجاب کی اس سیاسی صورتحال کا بچشم خود جائزہ لیا تھا۔ وہ لاہور کے مسائل و معاملات اور مسلمان افغان اور مغل حکمرانوں کی کمزوریوں کے باوجود سکھوں کی ابھرتی ہوئی طاقت سے بخوبی واقف تھے انہوں نے نادر شاہ اور احمد شاہ ابدالی کی فوجوں سے ہندوستان کو تباہ و برباد ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔ پنجاب کو اپنی آنکھوں کے سامنے لٹتا دیکھ کر وہ خاموش نہ رہ سکے۔

اور پکار اٹھے۔

در کھلا حشر عذاب دا
برا حال ہویا پنجاب دا
ڈر ہاویئے دوزخ ماریا
سانوں آمل یار پیاریا

(کافی نمبر 69)

ترجمہ: اذیت اور قیامت کا دروازہ کھل گیا ہے' پنجاب کی حالت بدتر ہوگئی ہے یہ آہوں اور دوزخ کی پستی میں چلا گیا ہے او محبوب! آ اور ہم سے مل لے۔

وہ نہایت راست باز صوفی تھے وہ تصوف کے اسرار و رموز بیان کرنے والے محض ایک صوفی ہی نہیں تھے بلکہ انہوں نے اپنے وجود سے باہر خارجی زندگی پر بھی ناقدانہ نگاہ رکھی۔ جب انہوں نے دیکھا کہ صدیوں تک برصغیر پر انتہائی شان و شوکت اور جاہ و جلال سے حکومت کرنے والی قوم سکھ ڈاکوؤں کے قدموں میں پڑی سسک رہی ہے تو وہ بے ساختہ پکار اٹھے۔

الٹے ہور زمانے آئے
کاں لگڑ نوں مارن لگے
چڑیاں جُرے ڈھائے
گھوڑے چگن اڑوڑیاں گدھوں خوید پوائے
بچیاں نوں پے ملدے دھکے چھوٹے کول بٹھائے
پیو پُتر اتفاق نہ کوئی دھیاں نال نہ مائے
بلھا حکم حضوروں آیا
تس نوں کون ہٹائے
اُلٹے ہور زمانے آئے

(کلیات بلھے شاہؒ کافی 14)

ترجمہ :الٹا زمانہ آ گیا ہے۔کوے شکروں کو مارتے ہیں اور چڑیاں شاہین کو مار گراتی ہیں۔ گھوڑے کوڑے کے ڈھیر میں منہ مارنے پر مجبور ہیں مگر (ذلیل ہو رہے ہیں) اور گدھے ہرے گیہوں کی بالیں چرائے جا رہے ہیں۔بلھا! جن کو خدا تعالیٰ سے حکم آ گیا ہے اس کو کون بدل سکتا ہے؟ الٹا زمانہ آ گیا ہے (حکم حضوروں آیا" سے مراد تقدیر خداوندی ہے۔ان میں عمل اور مکافات عمل کے اسرار ہیں)

بلھے شاہؒ اپنے عہد کے ایک سچے اور بے باک ترجمان تھے۔سیاسی بدنظمی کا جو لازمی اثر سماجی زندگی پر ہوا اس کی وہ عکاسی کر جاتے ہیں۔اس کے سامنے ہر شے سوال بن گئی تھی۔

مُغلاں زہر پیالے پیتے
بھوریاں والے راجے کیتے
سب اشراف پھرن چپ کیتے
بھلا اوہناں نوں جھاڑیائی
رہو رہو اوئے عشقا ماریائی
کہو کس نوں پار اتاریائی

(کلیات بلھے شاہ کافی 65)

ترجمہ : مغلوں نے زہر کے پیالے پی لئے ہیں کمبل پوش جاٹ (سکھ) بادشاہ بن گئے ہیں۔سب شریف لوگ چپ سادھے پھرتے ہیں۔اور وہ ترے ہاتھوں ذلیل وخوار ہو گئے ہیں۔ اے عشق تو مجھ سے دور ہو جا۔تو نے مجھے غمزدہ کر دیا ہے مجھے بتلا تو نے اب تک کس کو پار اتارا ہے۔

نوٹ : "بھوریاں والے راجے کیتے" اگر اس مصرعے میں "بھوُریاں" کو پیش کے ساتھ پڑھیں تو اس کے معنے "کمبل والے" ہوتے ہیں جو سکھوں کا کوئی مخصوص وصف تو نہیں ہے لیکن ایسے "بھوریاں والے" جنہیں الٹے زمانے پنجاب میں راجے بنا دیا گیا ہو۔غالباً سکھ ہوں گے

لیکن اگر بھوریاں زبر سے پڑھیں تو اس کا اشارہ صرف سکھوں کی طرف ہی ہو سکتا ہے۔ ڈاکٹر نذیر احمد نے پیش اور زبر دونوں کے ساتھ دونوں "بُھوریاں والے"، "بَھوریاں" والے کا ذکر کیا ہے پنجاب میں "بھورے پیناں" روزمرہ بھی ہے یعنی کھولی میں جا رہنا۔ بھورا روٹی کے چھوٹے ٹکڑے کو بھی کہا جاتا ہے۔ مراد ہے "غریب لوگ"۔ "بھوری" پنجاب میں بالوں کے اس چکر کو کہتے ہیں جو بعض آدمیوں کے ماتھے سے ذرا اوپر پایا جاتا ہے اور جسے عموماً منحوس خیال کیا جاتا ہے سکھ چونکہ اپنے بال پچھلی طرف کھینچ کر باندھتے ہیں اس لئے انہیں کبھی ہنسی مذاق میں اور کبھی از روئے تحقیر بھوری والے بھی کہا جاتا ہے لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ "بھوریاں والے" کا اشارہ غالباً سکھوں (خالصہ) کی طرف ہے۔

بھیڈاں مار پلنگ کھپائے گرگاں برا احوال
چڑھ سہے شیہناں تے نچن لگے وڈی پئی دھمال
چوہیاں کن بلی دے کترے ہو ہو کے خوشحال

(کافی 82)

ترجمہ: بھیڑوں نے چیتے مار ڈالے۔ ظالم بھیڑیے کا برا حال ہے۔ خرگوش شیروں پر سواری کر کے دھمال ڈالتے ہوئے ناچ رہے ہیں۔ چوہے خوش حال ہو کر بلی کے کان کاٹنے لگ گئے ہیں۔ (ہر بات الٹی ہو رہی ہے)

کافی نمبر 16 میں فرماتے ہیں:

بلھا! طوطے مار باگاں تھیں کڈھے الور بن اس جائی
دانے دانے اتوں گت بجتی [1] گھر گھر پئی لڑائی

ترجمہ: بلھے شاہ! طوطوں کو مار کر باغوں سے نکالا گیا ہے اور ان کی جگہ الو رہنے لگ گئے ہیں۔ دانے دانے پر لوگ الجھ رہے ہیں اور ہر جگہ لڑائی کی جا رہی ہے۔

[1] عورتوں نے ایک دوسرے کی چوٹیاں پکڑ رکھی ہیں۔

بلھا شاہ ہن کیا بتاوے جو پیسے سو لڑدا

لت بلتی گت تکتی کوئی نہیں ہتھ پھڑ دا

دیکھو کیہی قیامت آئی آیا کھر دجال

ترجمہ : بلھے شاہؒ اب کیا بتائے جو بھی نظر آتا ہے وہ لڑتا ہی دکھائی دیتا ہے کوئی لات مار رہا ہے تو کسی نے بالوں سے پکڑا ہوا ہے۔ کوئی بھی کسی کو روکنے ٹوکنے والا نہیں ہے۔ یہ کیا قیامت آ گئی ہے جیسے دجال کا گدھا آ گیا ہے (دجال بہت بڑا فریبی' قیامت کے نزدیک ظاہر ہونے والا اور لوں کو گمراہ کرنے والا شخص جو کہ گدھے پر سوار ہوگا۔)

ان تمام حالات کے باوجود شاعر یہ کہہ اٹھتا ہے

بلھا شاہ میرے گھر آوسی

میری بلدی بھا بجھاوسی

عنایت دم دم نال چتاریا

سانوں آمل یار پیاریا

(کلیات بلھے شاہؒ۔ کافی 69)

ترجمہ : بلھا! میرا مرشد میرے گھر میں داخل ہوگا اور مصیبت کی جلتی ہوئی آگ کو ٹھنڈا کرے گا۔ میں اپنے مرشد عنایت کو ہر سانس میں یاد کرتا ہوں او محبوب! آ اور ہم سے مل لے۔

ایک حیران کن بات یہ ہے کہ "بلھے شاہ" سکھوں کے مظالم کے باوجود سکھوں کے پانچویں گرو ارجن دیو کی تعریف کرتا ہے۔ یہ وہی گرو تھا جس نے اپنی مذہبی کتاب "آدی گرنتھ" میں بابا فرید گنج شکرؒ کے اشعار کو خاص جگہ دی تھی۔ بابا فریدؒ چشتیہ سلسلہ کے بہت مشہور صوفی گزرے ہیں۔ سلیم قادری صوفی حضرت میاں میرؒ نے گوروارجن دیو کے قتل کی مذمت کی تھی جنہیں جہانگیر کے حکم سے مارا گیا تھا۔ حضرت میاں میرؒ نے ہرمندر (گولڈن ٹیمپل امرتسر) کا سنگ بنیاد اپنے ہاتھوں رکھا تھا۔ بلھے شاہؒ نے اپنی ایک کافی میں گوروارجن دیو کی طرف اشارہ کیا ہے۔

کدھرے چور ہو کدھرے قاضی ہو
کتے منبر تے بہہ وعظی ہو
کتے تیغ بہادر غازی ہو
آپے اپنا کٹک چڑھائی دا
ہن کس توں آپ چھپائی دا

(کلیات بلھے شاہ کافی 154)

ترجمہ : کہیں تم چور ہو کہیں تم قاضی (منصف) ہو کہیں تم منبر پر بیٹھ کر وعظ بیان کرتے ہو۔ کہیں تم تیغ بہادر غازی ہو۔ تم اپنی قوت اور طاقت کو اپنے اختیار سے تیار کرتے ہو تم اب اپنے آپ کو کس سے چھپا رہے ہو۔

بلھے شاہ ایک عوامی شاعر ہیں۔ ان کی شاعری باطل کے خلاف ایک جہاد ہے۔ ظلم و بربریت کے خلاف صدائے احتجاج ہے حق گوئی کا دعوی کرنے کو سب کرتے ہیں مگر وہ کتنے ہیں جنہوں نے حق کے لئے لڑائی لڑی ہو سچائی کے لئے سینہ سپر ہوئے ہوں۔ باطل کے سامنے علم جہاد بلند کیے ہو یا ظالم کو للکارا ہو۔

بلھے شاہ کا کلام دو دھاری تلوار ہے جو اپنے اور غیر میں فرق روا نہیں رکھتا۔ دیگر صوفیائے کرام کی طرح بلھے شاہ کا بھی نہ کوئی فرقہ ہے اور نہ عام معنوں میں مذہب وہ ذات برادری کی قید کو لعنت تصور کرتے ہیں۔ ان کی نظر میں خدا اور خدا کے بندوں سے محبت جزو ایمان ہے۔

میں بے قید میں بے قید' نہ روگی نہ وید
نہ میں مومن نہ میں کافر' نہ سیّد نہ سید
بلھا شوہ دی ذات کیہہ پچھنیں' نہ پیدا نہ پید

(کلیات بلھے شاہ کافی 135)

ترجمہ : میں دنیاوی پابندیوں سے آزاد ہو چکا ہوں نہ تو میں روگی (بیمار) ہوں اور نہ طبیب

ں' نہ تو میں مومن ہوں اور نہ کافر ہی ہوں اور نہ میرا تعلق سادات سے ہے۔ اے بلھے شاہؒ تو مجھ سے محبوب حقیقی کی ذات کے بارے میں کیا پوچھتے ہو؟ نہ تو وہ ظاہر ہے اور نہ پوشیدہ ہے۔

نوٹ : سیّد اور سید ایک ہی لفظ کے دو تلفظ ہیں۔ پوٹھوہاری، جھنگ اور پشاور میں سیّد کو سید بھی کہتے ہیں۔ بعض نسخوں میں صیاد اور صید ہے۔

سماجی زندگی پر اثرات

ملکی حالات نے تمام قوم کو بے عملی اور بے راہروی میں مبتلا کر دیا۔ اشراف اور صحیح معنوں میں عالم اور دینی راہنما گوشۂ تنہائی میں دبکے دست دعا دراز کئے ڈبڈبائی ہوئی نگاہوں سے آسمان کی طرف دیکھ رہے تھے اور ان میں جو ہمت کر کے آگے بڑھتے بھی تھے تو نقار خانوں میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ علماء کی مسندوں پر بے عمل اور نام نہاد عالموں نے قبضہ جما لیا۔ چنانچہ بلھے شاہؒ ایسے ہی نام نہادوں سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں۔

پڑھ پڑھ نفل نماز گزاریں
اچیاں بانگاں چانگاں ماریں
ممبر تے چڑھ وعظ پکاریں
کیتا تینوں حرص خوار
علموں بس کریں او یار
پڑھ پڑھ شیخ مشائخ کہاویں
الٹے مسئلے گھروں بناویں
بے عقلاں نوں لٹ لٹ کھاویں
الٹے سدھے کریں قرار
علموں بس کریں او یار

(بلھے شاہؒ کافی 79)

ترجمہ: تو نمازیں اور نوافل پڑھنے میں لگا رہتا ہے بلند آواز اذانیں دیتا ہے شور مچاتا ہے' منبر پر چڑھ کر وعظ سناتا ہے۔ تجھے لالچ نے ذلیل و خوار کر رکھا ہے۔ اے یار تحصیل علم کا سلسلہ چھوڑ۔
مطالعہ سے تو عالم فاضل بن بیٹھا ہے۔ الٹے سیدھے مسائل اپنے ذہن سے اختراع کر لیتا ہے۔ تو جاہلوں کو لوٹ لوٹ کر دولت ہضم کرتا ہے۔ ان سے جھوٹے سچے وعدے کرتا رہتا ہے۔
اے یار علم کا سلسلہ چھوڑ۔

جب سچے عالم نہیں رہیں گے تو علم کا "یار" کی بجائے "مار" (سانپ) ثابت ہونا ایک لازمی امر ہے۔ بلھے شاہؒ بے عملوں کے سکھائے ہوئے علم سے پناہ مانگتے ہیں۔

علموں پے قضیئے ہور
اکھیں والے انھیں کور
پھڑ دے سادھ تے چھڈدے چور
دو ہیں جہانیں ہویا خوار
علموں بس کریں او یار

مولانا رومؒ فرماتے ہیں۔

علم را برتن زنی مارے بود
علم را برجاں زنی یارے بود

بلھے شاہ کہتے ہیں:

پڑھ پڑھ علم لگاویں ڈھیر
قرآن کتاباں چار چوفیر
گردے چانن وچ انھیر
باجھوں راہبر خبر نہ سار
علموں بس کریں او یار

(کافی نمبر79)

ترجمہ: علم سے کئی دوسرے فتنے اٹھے ہیں۔ آنکھوں والے دراصل نابینا ہی نکلے' نیکوں کی

لڑ دھکڑ کرتے ہیں لیکن چوروں کو کھلی چھٹی ہے۔ یہ دونوں جہانوں میں رسوا ہو رہے ہیں۔ اے (ایسے) علم کا دھندا چھوڑ دے۔

تو پڑھ پڑھ کر، لکھ لکھ کر تحریروں کے انبار لگا رہا ہے تیرے چاروں جانب قرآن اور کتابوں کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں۔

تیرے باہر تو روشنی ہے لیکن اندر (گھپ) اندھیرا ہے مرشد کے بغیر سچ کا علم نہیں ہو سکتا۔ تجھے کچھ اتہ پتہ نہیں، اے یار ایسے علم کا سلسلہ چھوڑ۔

بلھے شاہ علم پر اپنی اجارہ داری سمجھنے والے ملاں کو مخاطب کر کے کہتے ہیں۔

پڑھ پڑھ ملاں ہوئے قاضی
اللہ علماں باجھوں راضی
ہووے حرص دنوں دن تازی
تینوں کیتا حرص خوار
علموں بس کریں او یار

پڑھ پڑھ مسئلے روز سناویں
کھانا شک شبہے دا کھاویں
دسیں ہور تے ہور کماویں
اندر کھوٹ باہر سچیار
علموں بس کریں او یار

علموں میاں جی کہاویں
تنبا چک چک منڈی جاویں
دھیلا لے کے چھری چلاویں
نال قصائیاں بہت پیار
علموں بس کریں او یار

(کافی نمبر 79)

ترجمہ : کتب بینی سے تم ملا اور قاضی بن بیٹھے ہو لیکن خدا تو علم کے بغیر ہی راضی رہتا ہے۔ انسان کی ہوس تو روز بروز بڑھتی رہتی ہے۔ او تیری ہوس تو روز افزوں ہو رہی ہے۔ تجھے لالچ نے ذلیل کر رکھا ہے۔ اے یار ایسے علم کا دھندا چھوڑ۔

تو ہر روز (لوگوں کو) مسائل پڑھ پڑھ کر سناتا رہتا ہے تیرا رزق شک شبے سے خالی نہیں ہے تو بتاتا اور کچھ ہے اور کماتا اور کچھ ہے باطن میں تیرے کھوٹ ہے اور ظاہر میں تو سچا بنتا ہے۔ اے یار ایسے علم کا سلسلہ چھوڑ۔

تم علم کی وجہ سے میاں جی کہلواتے ہو۔ پاجامہ اوپر اٹھا اٹھا کر کوچہ و بازار میں آتے جاتے ہو۔ ایک پائی کے بدلے لوگوں کے گلوں پر چھری چلاتے ہو قصابوں (ظالم اور بے رحم) کے ساتھ تمہیں کچھ زیادہ ہی پیار ہے۔ اے دوست (ایسے) علم کا حصول بس کر دو۔

وہ تو یہاں تک کہہ جاتا ہے کہ

بہتا علم عزازیل نے پڑھیا

جھگا جھاہا اوسے دا سڑیا

گل وچ طوق لعنت دا پڑیا

آخر گیا او بازی ہار

علموں بس کریں او یار

ترجمہ : عزازیل (شیطان) نے زیادہ علم سیکھا۔ اسی کا خانہ خراب ہوا۔ اس کے گلے میں رسوائی کا طوق ڈالا گیا۔ آخر وہ نامراد ہوا۔ اس لئے زیادہ علم نہ سیکھ میرے دوست

ملاں قاضی راہ بتاون دین بھرم دے پھیرے

ایہہ تاں ٹھگ جگت دے جھیور لاون جال چوفیرے

(کافی نمبر 17)

ترجمہ : ملا اور قاضی ہمیں بناوٹی دھرم کا چکر دیتے ہیں۔ یہ تو بہت بڑے دنیا دار ٹھگ ہیں۔

بلھے شاہؒ کے نزدیک انسان کا کوئی عمل اسے محبوب حقیقی اور حسن ازل تک نہیں لے جا سکتا' جب تک کہ اس کے دل میں طہارت اور اس کی نیت میں خلوص نہ ہو۔ دل میں دنیا ہو اور زبان پر خدا کا نام یہ خدا پرستی نہیں جگ پرستی ہے۔ بہ الفاظ دیگر یہ بت پرستی ہے۔ یہ دنیا ایک بڑا بت خانہ ہے اور بلھے شاہؒ انسان اور خدا کے درمیان حائل ہونے والے تمام بتوں کو توڑ دینا چاہتے ہیں۔

نت پڑھنا ئیں استغفار
کیسی توبہ ہے ایہہ یار
جتھے نہ جانا اوتھے جائیں
مال پرایا منہ دھر کھائیں
کوڑ کتاباں سرتے چائیں
ایہہ تیرا اعتبار
نت پڑھنا ئیں استغفار
کیسی توبہ ہے ایہہ یار
ظالم ظلموں نائیں ڈردے۔
اپنی عملیں آپے مردے
مونہوں توبہ دلوں نہ کردے
ایتھے اوتھے ہون خوار
نت پڑھائیں استغفار
کیسی توبہ ہے ایہہ یار

(کافی نمبر 137)

ترجمہ: یہ کیسی توبہ ہے' یار ایسی توبہ تو نہ کر۔

جہاں جانا ممنوع ہے' وہاں تو جاتا ہے اور پرائے کا حق مار لیتا ہے۔ جھوٹ کی کتابیں سر پر

اٹھائے پھرتا ہے' تیرا کیا اعتبار؟ تو ہمیشہ توبہ کرتا رہتا ہے۔ یہ کیسی توبہ ہے یار ایسی توبہ نہ کر۔ ظالم ظلم کرنے سے نہیں ڈرتے اور اپنے کئے کی سزا خود ہی پاتے ہیں۔ وہ منہ سے تو توبہ کہتے ہیں لیکن دل سے توبہ نہیں کرتے۔ وہ قہر خدا سے خائف نہیں ہوتے۔ وہ یہاں وہاں (دونوں جگہ) ذلیل و خوار ہوتے ہیں۔ یہ توبہ کیسی توبہ ہے یار ایسی توبہ نہ کر

اس طرح بلھے شاہ مصلح کن اور وسیع المشرب کی حیثیت سے سامنے آتے ہیں۔

بلھے شاہ موٹی موٹی کتابیں پڑھنے والے بے عمل عالموں کو للکارتے ہیں اس لئے کہ وہ جو کچھ پڑھتے اور کہتے ہیں وہ کچھ کرتے نہیں۔ بلھا جانتا ہے کہ بے عمل عالموں کی نمازیں منہ پر ماردی جائیں گی۔ وہ بے عملوں کو از حد زیادہ پڑھنے کے چکر سے بھی نکلنے کی کہتا ہے۔ زیادہ مسئلے بازی سے انسانیت تنگ پڑتی ہے۔ زیادہ فقہ سے انسان مغرور ہو جاتا ہے۔ اس کی سوچ اور عمل میں فرق آنے لگتا ہے اکثر زیادہ سے زیادہ جاننے اور پڑھنے کی دھن میں انسان کی مت ماری جاتی ہے۔

کیوں پڑھنا ئیں گڈ کتاباں دی
سر چانا ئیں پنڈ عذاباں دی
ہن ہویا شکل جلاداں دی
اگے پینڈا مشکل بھارا اے
اک الف پڑھو چھٹکارا ہے

(کافی نمبر ۱۰۴)

ترجمہ : کیوں کتابوں کے گڈوں کے گڈے (یعنی بیل گاڑیوں پر لدی تعداد) پڑھتا رہتا ہے اپنے سر پر مصائب کا (یہ) پہاڑ کیوں اٹھائے پھرتا ہے۔ اور جلادوں کا روپ دھارے ہوئے ہے۔ اگلا سفر تو بہت دشوار اور کٹھن ہے۔

صرف الف (اللہ) پڑھو کہ نجات اسی میں ہے۔

بلھے شاہؒ نے ایک سچے طبیب کی طرح وقت کی نبض پر ہاتھ رکھا۔ بے ایمانی، لالچ، خودغرضی، بے اطمینانی اور انتشار ایسے مہلک امراض کا علاج ان کے نزدیک ایک اور صرف ایک ہے۔ اور وہ ہے ''الف''

اک الف پڑھو چھٹکارا ہے

الف ''عشق الہٰی'' اور اثبات کی علامت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ''الف'' (اللہ) کے بعد مجھے کسی چیز کا وجود سرے سے نظر ہی نہیں آتا اور مجھے پڑھانے والے ''الف'' کے بعد ''ب'' پڑھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ''ب'' (بے) جو نفی کی علامت ہے۔ ''الف'' انسان کے تمام ذہنی اور روحانی امراض کا علاج ہے جس دل میں اللہ کی محبت گھر کرے وہ دنیا اور لوازم دنیا کی محبت سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ اگر جگ پرستی نہ رہے تو کوئی کسی کا خون نہ بہائے اور کسی کا گھر نہ جلائے غیر اللہ حقیقی نہیں ہے۔

حقیقت کے متلاشی کو ایک حرف کا پڑھنا ہی کافی ہے۔ یہ حرف ''الف'' ہے۔ جو خدا کی وحدت کی علامت ہے۔ الف کو اہمیت دینے کی کئی وجوہات ہیں۔ اول یہ لفظ اللہ کا پہلا حرف ہے دوسرے الف انگشت شہادت کی طرح، یعنی اللہ کی جانب اشارہ کرتا ہے۔ تیسرے الف کی شکل ایک (1) کے ہندسے سے مشابہہ ہے اس لئے وہ اللہ کی یکتائی کا نشان بھی ہے۔

ا۔ اللہ نال رتا دل میرا، مینوں ''ب'' دی خبر نہ کائی
''ب'' پڑھدیاں مینوں سمجھ نہ آوے، لذت الف دی آئی
''ع'' تے ''غ'' نوں سمجھ نہ جاناں، گل الف سمجھائی
بلھیا قول الف دے پورے، جیہڑے دل دی کرن صفائی

(کافی نمبر 1)

ترجمہ : اللہ کے رنگ میں مرا دل رنگا جا چکا ہے۔ اب مجھے ماسوا اللہ کے کچھ بھی خبر نہیں رہی۔ (بے (ب) کے بارے قطعاً کوئی علم نہیں) اب مرا دھیان کسی دوسری طرف بالکل نہیں

جا تا رتا سے مراد رنگ ہے یعنی صبغۃ اللہ ۔ اللہ کا رنگ) میں تو عین ذات اور غیرت کے فرق کو بالکل نہیں سمجھتا کیونکہ الف نے ہی نکتے کی بات سمجھائی ہے میں تو عین (ع) اور غین (غ) کے مابین بھی فرق نہیں کرسکتا۔ اے بلھے شاہؒ الف کی باتیں پوری ہیں، مکمل ہیں کیونکہ اس کے ذکر کے بغیر دل صفائی (اطمینان) حاصل نہیں کرسکتا۔

اک الف پڑھو چھٹکارا اے
اک الفوں دو تن چار ہوئے
پھر لکھ کروڑ ہزارے ہوئے
پھر اوتھوں باجھ شمار ہوئے
اک الف دا ' نکتہ نیارا اے

(کافی 11)

ترجمہ : صرف الف (ا) پڑھو کہ نجات اسی میں ہے۔ ایک الف سے دو، تین اور چار بنے پھر ہزار، لاکھ اور کروڑ ہوئے۔ پھر ان سے تعداد شمار سے باہر ہوگئی۔ اس الف کا نقطہ انوکھا ہے۔

جیسی صورت ع دی ' ویسی صورت غ
اک نقطے دا فرق ہے ' بھلی پھرے کونین

(دوہڑہ)

ترجمہ : عین اور غین کی صورت خطی یکساں ہے۔ تجھے دونوں کو ایک ہی سمجھنا چاہیے صرف ایک نقطے کا فرق ہے جس سے ساری دنیا بھٹک رہی ہے۔

معاشرے کی عام خرابیاں اور برائیاں بھی بلھے شاہؒ کی نظر سے اوجھل نہیں تھیں۔

الٹے ہور زمانے آئے
اپنیاں دے وچ الفت ناہیں
کیا چاچے کیا تائے

الٹے ہو زمانے آئے
پیو پتراں اتفاق نہ کائی
دھیاں نال نہ مائے
الٹے ہور زمانے آئے
سچیاں نوں پئے ملدے دھکے
جھوٹے کول بہائے
الٹے ہور زمانے آئے

(کافی 14)

ترجمہ زمانے میں یہ کیسا انقلاب آ گیا ہے کہ اپنوں میں الفت و محبت نہیں رہی خواہ وہ چچا یا تایا ہی کیوں نہ ہوں۔ خونی رشتے بھی اپنا اعتماد کھو چکے ہیں۔ زمانے میں یہ کیسا انقلاب آ گیا ہے۔

باپ بیٹے تک میں اتفاق نہیں رہا اور نہ ہی ماں اور بیٹیوں میں یگانگت ہے یہ کیسا انقلاب آ گیا ہے۔ اپنوں میں بھی خلوص نہیں رہا۔ سچ بولنے والوں کو تو دھکے دیئے جاتے ہیں اور جھوٹ بولنے والوں کو پاس بٹھایا جاتا ہے۔ عجیب الٹے زمانے آئے ہیں۔

بلھے شاہؒ ایک ایسی گھمبیر آواز کا نام ہے جس نے 12 صدی ہجری کے منفی رجحانات کے خلاف بغاوت کی حد تک احتجاج کیا۔ جیتے جاگتے انسانی خون کے خلاف ایک مثبت ردعمل دکھایا۔ اس نے محبت اور سچائی کے گیت گائے اور انسان کو امن آشتی کا پیغام دیا اور اسے ایک مرکز کی طرف بلایا۔

بلھے شاہؒ کے کلام میں، قص ذات پات' مذہبی گروہ بندیاں' تعصب اور سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف احتجاج پایا جاتا ہے اپنے اردگرد کی دنیا میں بلھے شاہ کو جہاں کہیں بھی برائی نظر آتی ہے۔ وہ جرات کے ساتھ اس کو روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ سچ کہنے پر تل جاتے ہیں۔ اور جو ان کے

دل میں ہوتا ہے وہ برملا کہہ جاتے ہیں۔

منہ آئی بات نہ رہندی اے
جُھوٹھ آکھاں تے کچھ بچدا اے
سچ آکھیاں بھانبڑ مچدا اے
جی دوہاں گلاں توں جچدا اے
جچ جچ کے جیبھا کہندی اے
منہ آئی بات نہ رہندی اے

(کافی نمبر 113)

ترجمہ : ہونٹوں پر آئی ہوئی بات کہاں رکتی ہے۔ جھوٹ کہوں تو کچھ بات ان کہی رہ جاتی ہے۔ ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ جھوٹ بولوں تو کچھ نہ کچھ بچت ہو جاتی ہے۔ سچ بولوں تو آگ بھڑک اٹھتی ہے۔ دل دونوں باتوں سے ڈرتا ہے۔ لیکن ڈرتے ڈرتے سچ منہ سے نکل جاتا ہے۔ اور یہ ہونٹوں پر آئی ہوئی بات بھلا کہاں رکتی ہے۔

ڈاکٹر سید نذیر احمد نے "بلھے شاہ" میں یہ مصرع یوں لکھا ہے۔

"جھوٹھ آکھیاں کچھ نہ بچدا اے"

انہیں اس بات کا اچھی طرح علم ہے کہ لوگ سچ سننے کے عادی نہیں۔ عوام کے لئے سچ کڑوا ہے۔ وہ سچائی پسند لوگوں سے جھگڑا مول لے لیتے ہیں۔

سچ سن کے لوگ نہ سہندے نی
سچ آکھیئے تاں گل پیندے نی
پھر سچے پاس نہ بہندے نی
سچ مٹھا عاشق پیارے نوں

(کافی نمبر 54)

ترجمہ : سچ سن کے لوگ اسے برداشت نہیں کرتے۔سچ بولیں تو (وہ) الجھ پڑتے ہیں۔ اور یہ (لوگ) سچ بولنے والے کے قریب (بھی) نہیں بیٹھتے۔سچ (تو) پیارے عاشق (ہی) کو شیریں لگتا ہے۔

دنیا فانی:

بلاشبہ دنیا فنا پذیر ہے اور یہ فنا ہو کر ہی رہے گا۔وقت نہایت قلیل ہے۔لہٰذا غفلت میں سراسر نقصان ہے۔زندگی مختصر ہے اس کو فضول باتوں میں نہیں گنوانا چاہیے اسی لئے بلھے شاہؒ کہتے ہیں:

اک پلک جھلک دا میلا اے
کجھ کر لے ایہو ویلا اے

موت کی حقیقت کو کبھی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہونے دینا چاہیے۔شاعر نے ان کو خواب غفلت سے جگانے کی بھرپور کوشش کی ہے

1۔ اٹھ جاگ گھراڑے مار نہیں
ایہہ سون تیرے درکار نہیں
اک روز جہانوں جانا اے
جا قبر دے وچ سمانا اے
تیرا گوشت کیڑیاں کھانا اے
کر چیتا مرگ وسار نہیں
اٹھ جاگ گھراڑے مار نہیں
ایہہ سون تیرے درکار نہیں

2۔ تیرا ساہا نیڑے آیا ہے
کجھ چولی داج رنگایا ہے
کیوں اپنا آپ ونجایا ہے

6۔ کتھے یوسف ماہ کنعانی
لئی زلیخا پھیر جوانی
کیتی موت نے اوڑک فانی
پھر اوہ ہار سنگار نہیں
اٹھ جاگ گھراڑے مار نہیں
ایہہ سون تیرے درکار نہیں

7۔ کتھے تخت سلیماں والا
وچ ہوا سی اوڈدا بالا
اوہ بھی قادر آپ سنبھالا
کجھ زندگی دا اتبار نہیں
اٹھ جاگ گھراڑے مار نہیں
ایہہ سون تیرے درکار نہیں

8۔ کتھے میر ملک سلطاناں
سبھے چھڈ چھڈ گئے ٹھکانا
کوئی مار نے بیٹھے ٹھاناں
لشکر دا جنہاں شمار نہیں
اٹھ جاگ گھراڑے مار نہیں
ایہہ سون تیرے درکار نہیں

9۔ ڈیرا کرسیں اونہیں جائیں
جتھے شیر پلنگ بلائیں
خالی رہسن محل سرائیں

پھر توں ورثے دار نہیں
اٹھ جاگ گھراڑے مار نہیں
ایہہ سون تیرے درکار نہیں

10۔ اسیں عاجز وچ کوٹ علم دے
اوسے آہے وچ قلم دے
بن کلمے دے ناہیں کم دے
باجھوں کلمے پار نہیں
اٹھ جاگ گھراڑے مار نہیں
ایہہ سون تیرے درکار نہیں

11۔ بلھا شاہ بن کوئی ناہیں
ایتھے اوتھے دوہیں سرائیں
سنبھل سنبھل کے قدم ٹکائیں
پھر آون دوجی دار نہیں
اٹھ جاگ گھراڑے مار نہیں
ایہہ سون تیرے درکار نہیں

(کافی نمبر 6)

ترجمہ :(اے غافل) خواب سے بیدار ہو۔خراٹے نہ لے اس طرح محوخواب ہونا تیرے لئے بے فائدہ ہے۔ کیونکہ ایک دن آخر اس دنیا سے جانا ہے۔اور قبر میں جا کر سما جانا ہے' جہاں ہمارے تن بدن کا گوشت کیڑے مکوڑے کھا جائیں گے موت کو ہر پل یاد رکھو اور اسے بھولو نہیں۔

2۔ اٹھو! خواب غفلت سے بیدار ہو جاؤ اور کوئی نیک عمل کما لو کہ تمہارے جانے کا وقت

قریب آرہا ہے اور تم نے ابھی تک کوئی نیک عمل نہیں کمایا۔ کیوں اپنا آپ گنوار ہے ہو۔ اے غافل تجھے کچھ خبر ہے بھی کہ نہیں۔

3۔ اٹھو! خواب غفلت سے بیدار ہو جاؤ اور کوئی نیک عمل کما لو۔ تم نے خواب غفلت میں اپنی تمام عمر گنوا دی ہے۔ ایک بھی اچھا عمل نہیں کیا۔ کیا کرو گے جب رخت سفر ہی تمہارے پاس نہ ہوا کیونکہ سفر پر جانے کی تیاری ہو چکی ہے۔

4۔ اٹھو! خواب غفلت سے بیدار ہو کر کوئی نیک عمل کما لو۔ بڑے بڑے ملکوں کے حکمران جو بڑے بڑے جاہ و جلال کے مالک تھے۔ وہ بھی آخرکار بے تاج و تخت ہو کر چلے گئے۔ اس جہان فانی کا کوئی بھروسہ نہیں۔

5۔ اے (غافل انسان) خواب سے بیدار ہو اور خراٹے نہ لے یوں محو خواب ہونا تیرے لئے بے فائدہ ہے۔ سکندر بادشاہ کہاں ہے؟ موت تو کسی پیغمبر اور پیر کو بھی نہیں بخشتی۔ سبھی اپنا اختر بستر چھوڑ چھاڑ کر (دنیا سے) سدھارے۔ یہاں کوئی چیز بھی مستقل رہنے والی نہیں یہاں پر کوئی بھی ہمیشہ نہ رہ سکا۔

6۔ اے (غافل) خواب غفلت سے بیدار ہو جاؤ اور خراٹے نہ لو' یوں محو خواب ہونا تیرے لئے بے فائدہ ہے کنعان کا چاند حضرت یوسفؑ کہاں ہے؟ وہ زلیخا جس نے دوبارہ جوانی لی تھی' کہاں ہے؟ آخرکار موت کے ہاتھوں وہ بھی فنا ہو گئے۔ پھر وہ آرائش و زیبائش حاصل نہ ہو سکے گی۔

7۔ اے (غافل) خواب غفلت سے بیدار ہو جاؤ اور خراٹے نہ لو یوں محو خواب ہونا تیرے لئے بے فائدہ ہے۔ کہاں ہے وہ سلیمانؑ کا تخت جو ہوا میں اڑتا تھا۔ وہ بھی قادر (خدا) نے اپنی قدرت سے خود سنبھال لیا۔ اس زندگی کا کچھ بھروسہ نہیں' یہ سراسر بے اعتباری چیز ہے۔

8۔ اے (غافل) خواب غفلت سے بیدار ہو کر خراٹے لینا بند کر یوں سونا تیرے لئے بے فائدہ ہے۔ کہاں ہیں وہ بڑے بڑے سردار' جاگیردار اور بادشاہ؟ سبھی اپنے ٹھکانے چھوڑ

چلے گئے اور وہ بھی یہاں مستقل قیام نہ کر سکے۔ جو بڑے بڑے الاؤ لشکر رکھتے تھے۔

9۔ اے انسان (غافل) خواب غفلت سے بیدار ہو کر خراٹے لینا بند کر یہ نیند تیرے
بے فائدہ ہے۔ تیرا ٹھکانہ اس جگہ پر ہو گا جہاں شیر' چیتا اور نہ جانے کیا کیا بلائیں ہوں گی۔
برے محل اور چوبارے خالی رہ جائیں گے۔ تیرے حصے (وراثت) میں کچھ بھی نہیں آئے گا۔

10۔ اٹھو! خواب غفلت سے بیدار ہو کر خراٹے لینا بند کر یہ نیند تیرے کسی کام کی نہیں۔
بلکہ اسی نے ہمیں یہ سب کچھ سکھایا ہے یا تخلیق کیا ہے اور ہم کلمے کے بغیر کسی کام کے نہیں ہیں۔
بلکہ کلمے کے بغیر اس دنیا کا دشوار گزار دریا پار نہیں کیا جا سکتا۔

نوٹ : بلھے شاہؒ کہتے ہیں کہ روحانی تکمیل کے لئے علم و عقل بھی کام نہیں آتے! جو چیز ہمیں
کے وصال کی منزل تک پہنچاتی ہے وہ کلمہ کا شغل ہے۔

11۔ بلھا یہاں وہاں' دونوں جہانوں میں محبوب کے سوا کوئی دوسری حقیقت نہیں' (اس
میں) سنبھل سنبھل کر قدم رکھ یہاں (کبھی) دوبارہ آمد نہ ہو گی۔

اے (غافل انسان) خواب سے بیدار ہو جا' خراٹے نہ لے' ایسے محو خواب ہونا تجھے درکار
ں۔

بلھے شاہؒ کی کافی نمبر 66 میں دنیا کی بے ثباتی خوبصورت پیرائے میں بیان کی گئی ہے۔ دنیا کو
ئے کہا گیا ہے جہاں لوگ آتے اور جاتے رہتے ہیں۔

رین گئی لٹکے سب تارے
اب تو جاگ مسافر پیارے

آوا گون سرائیں ڈیرے
ساتھ تیار مسافر تیرے
تیں نہ سنیؤں کوچ تمارے
اب تو جاگ مسافر پیارے

کر لے اج کرن دے بیرا
بوڑھ نہ ہوسی آون تیرا
ساتھی چلو چل پکارے
اب تو جاگ مسافر پیار
رین گئی لٹکے سب تارے
اب تو جاگ مسافر پیارے

بلھیا شوہ دی پیریں پڑیئے
غفلت چھوڑ کچھ حیلہ کریئے
مرگ جتن بن کھیت اجاڑے
اب تو جاگ مسافر پیارے
رین گئی لٹکے سب تارے
اب تو جاگ مسافر پیارے

(کافی نمبر 66)

ترجمہ : پیارے مسافر! اب تو جاگ' رات بیت چکی اور تمام تارے ماند پڑ گئے ہیں۔آوا گون کی اسی سرائے میں تو قیام پذیر ہے۔جبکہ تیرے ساتھی چلنے کے لئے تیار بیٹھے ہیں کیا تو نے ہنوز نقارہ رحلت کی آواز نہیں سنی۔پیارے مسافر اب تو جاگ۔

2۔ کچھ کرلے کہ آج عمل کا وقت ہے۔(اس دنیا میں) تو دوبارہ نہیں آئے گا۔ہمراہی کوچ کے لئے صدائیں دے رہا ہے۔(مگر تیرے کان پر جوں تک نہیں رینگتی) پیارے مسافر اب تو جاگ

3۔ اے بلھے شاہ! اب محبوب (مرشد) کے پاؤں پڑیں غفلت کو خیر باد کہہ کر کچھ کر گزریں (عبادت کی طرف دھیان دیں) اگر کوئی تدبیر نہ کی جائے تو ہرن (بھی) کھیت اجاڑ دیتا

. ـ پیارے مسافر اب تو جاگ ـ رات بیت چکی ہے اور ستارے بھی ماند پڑ گئے ہیں ـ
بلھے شاہؒ ریا کاری سے عبادت کرنے والوں کو مرشد تنقید کا نشانہ بناتے ہیں ـ دکھلاوے کی
.ت کی ملامت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ خدمت' وفاداری اور فرمانبرداری میں کتا اس
، بہتر ہے جو رات کو جاگ کر اپنے مالک اور گھر کی رکھوالی کرتا ہے

راتیں جاگیں کریں عبادت
راتیں جاگن کتے
......تیتھوں اتے

بھونکوں بند مول نہ ہندے
جا رُوڑی تے ستے
......تیتھوں اُتے

خصم اپنے دا در نہ چھڈدے
بھانویں وجن جتے
......تیتھوں اتے

بلھے شاہ کوئی رخت ویہاج نے
نہیں تے بازی لے گئے کتے
......تیتھوں اُتے

(کافی نمبر 63)

ترجمہ : راتوں کو جاگ جاگ کر تو عبادت کرتا ہے ـ راتوں کو تو کتے بھی جاگتے ہیں وہ تجھ
... ہزار اچھے ہیں ـ
ـ کتے "بھونکنے" سے باز نہیں آتے اور غلاظت کے ڈھیر پر سو جاتے ہیں ـ پھر بھی
...تو سے اچھے ہیں ـ

3۔ وہ اپنے مالک کا دروازہ (یا گھر) نہیں چھوڑتے' خواہ انہیں جوتے ہی پڑیں۔ وہ تجھ سے اچھے ہیں۔

4۔ بلھے شاہؒ کچھ سامان خرید لے (یعنی نیکیاں کما لے) نہیں تو جان لے کہ کتے (تجھ سے) بازی لے جائیں گے وہ تجھ سے ہزار اچھے ہیں۔

بلھے شاہؒ ایک غیر روایتی عالم

بلھے شاہؒ اپنے دور کے بہت بڑے غیر روایتی عالم تھے انہوں نے حصول تعلیم کے دوران ہی محسوس کر لیا تھا کہ اس دور کا نظام درس وتدریس کم نظر دینی علماء اور بے علم مولویوں کے ہاتھ میں ہے جو محض تقلید ہی کو جزو ایمان سمجھتے ہیں۔ وہ محض نقل نویسی کے کام ہی کو علم کے حصول کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ اس دور میں علماء کے لئے مقلد اور غیر مقلد کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔ مقلد وہ شخص ہوتا ہے جو کسی بات کو دلیل سمجھے بغیر قبول کر لے۔ یعنی تقلید اجتہاد کی ضد ہے۔ اسلام میں تیسری صدی ہجری میں اجتہاد ختم ہو گیا تھا اور لوگ تقلید کے قائل ہو گئے۔ بلھے شاہؒ کے خیال میں اجتہاد کا راستہ بند نہیں تھا۔ قرآن حکیم میں اندھی تقلید اور آبا پرستی کی مذمت کی گئی ہے اندھا دھند دوسروں کی تقلید کرنے والا شخص اپنی کوئی شخصیت نہیں رکھتا۔ وہ ذہنی غلامی میں مبتلا ہو کر ذلیل وخوار ہوتا ہے۔ بعض اوقات ایسے لوگ سنی سنائی ہوئی باریک باتیں کرتے ہیں مگر خود ان سے نا آشنا ہوتے ہیں۔ یہ لوگ خود کو عالم ظاہر کر کے لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں ناواقف انسان دھوکہ کھا کر انہیں صاحب تحقیق سمجھتے ہیں۔ بلھے شاہؒ ایسے بے عمل عالموں کی نشاندہی کرتے ہوئے تمام عمر ان کے خلاف لکھتے رہے۔ وہ پڑھے لکھے جاہلوں کی قیاس آرائیوں کے خلاف تھے۔ ان کے خیال میں عشق الٰہی اور سچ کی پہچان فقہ وتفسیر پڑھنے اور درس سننے سے پیدا نہیں ہوتی ہے۔ اس کے لیے اہل دل کی صحبت اور درد وسوز وگداز پیدا کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ مقلد کا دین یا کتابی ہوتا ہے یا روایتی لیکن اہل دل کے لئے روحانی حقائق ایک تجربہ ہوتے ہیں جس کی بدولت علم الیقین ہی نہیں بلکہ عین الیقین اور حق الیقین پیدا ہوتا ہے۔ جبکہ فقیہ اور محدث روایتوں کے ثقہ یا غیر ثقہ

ونے میں الجھتے رہتے ہیں۔ بلھے شاہؒ اس نظام تعلیم کے مخالف تھے جو فرسودہ خیالات پر مبنی تھا۔
بلھے شاہؒ فقیہوں کے بارے میں ساری عمر شاکی رہے حالانکہ وہ خود فقہ کے بہت بڑے عالم تھے مگر وہ سمجھتے تھے کہ فقہ انسان کی ظاہری، مادی اور جسمانی زندگی سے متعلق ہوتی ہے۔ قانون کا تعلق انسان کے باطن سے نہیں ہوتا۔ اس لیے جو لوگ محض فقہ کے مطالعہ میں عمر گزار دیتے ہیں۔ ان کے ہاں دین کا صرف خول ہی رہ جاتا ہے اور وہ محض صرفی اور نحوی بحثوں میں عمریں گزار دیتے ہیں۔ انہوں نے اپنی شاعری میں خود ساختہ عالموں کو مخاطب کر کے کہا کہ آپ کا علم بے فائدہ ہے جو ایک تنگ نظر معاشرے کو جنم دیتا ہے جس کے باشندوں کی کوئی اپنی سوچ نہیں ہوتی اور وہ محض لکیر کے فقیر بن کر زندگی گزار دیتے ہیں۔ بلھے شاہؒ اس نظریہ کے قائل تھے کہ جب تک ظاہری حواس باطنی حواس کے ساتھ مل کر اصل حقیقت کا کھوج نہ لگا لیں انسان اصل معنی تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس لیے وہ باطل علم کے خلاف تھے اور تمام مدارس انہیں فضول دکھائی دیتے تھے۔ انہی حالات کے تحت وہ جلد ہی ایسے نظام تعلیم سے باغی ہوتے گئے۔ کیونکہ اس دور میں جو علوم پڑھائے جاتے تھے۔ وہ سب فرسودہ خیالات پر مبنی تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ مدارس میں عموماً منطقی بحثوں میں بڑی بڑی موشگافیاں پیدا کی جاتی ہیں اور دینی امور کے متعلق مناظروں کے داؤ پیچ اور پینترے منفی انداز میں سوچے جاتے ہیں۔ کوئی کسی استاد کے قول کی شرح کو داد دیتا ہے کوئی کسی دوسرے استاد کی۔ پھر ان امور پر شرحیں لکھی جاتی ہیں جوں جوں یہ شرحیں بڑھتی ہیں اصل مطلب فوت ہو کر رہ جاتا ہے۔ فقہا، متکلمین اور فلاسفر سب کے سب یہی کرتے ہیں۔ قرآن مجید کو حفظ کر کے محض حافظے سے کام لیا جاتا ہے۔ آیات کے مطلب و مفہوم کو سمجھنا لازمی نہیں سمجھا جاتا یہی نکمے لوگ پھر مدارس میں بچوں کو فرسودہ تعلیم دیتے ہیں ایسے جاہل عالموں سے علم حاصل کرنے کے بجائے بلھے شاہؒ اپنی شاعری کے ذریعے لوگوں کو خود پر اعتماد کرنا سکھاتے ہیں تاکہ دوسری کی بتائی ہوئی تفسیروں کو درست سمجھنے کی بجائے وہ خود قرآن کو پڑھیں اور سمجھیں اس دور میں مدارس میں علوم دینی و فقہی پڑھائے جاتے تھے۔ دین میں انسان کی خودمختار روح کی گنجائش

نہ تھی اس لیے بلھے شاہؒ کا دل تمام علوم، کتب اور اساتذہ سے اچاٹ ہو گیا۔

بلھے شاہؒ کو عام طور پر ایک باغی شاعر کہا جاتا ہے۔ وہ پنجابی کے بہت عظیم اور مقبول شاعر تھے انہوں نے اوائل عمری ہی میں خود کو شک وشبہ کی دنیا میں گم پایا تو انہوں نے معاشرے کے تحت رسم و رواج اور نظام تعلیم کے خلاف بغاوت شروع کر دی اور علم حاصل کرنے کے لیے لوگوں کو نئے راستے دکھانے لگے وہ کتابی علم کے ذریعے ذہنوں میں خاص عقائد ٹھونسنے کے حق میں نہ تھے کیونکہ اس طرح ذہنوں میں تعصبات پیدا ہوتے ہیں اور انسان محض لکیر کا فقیر بن کر رہ جاتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی کہ کتابی علم براہ راست نہیں ہوتا بلکہ وہ کسی وسیلے اور ذریعے سے آتا ہے اور اس طرح علم حاصل کرنے والا اپنی شخصیت، کردار، اور آزاد سوچ سے محروم ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس طرح انسان کی اپنی صلاحتیں زنگ آلود ہو کر رہ جاتی ہیں اور وہ ایک بہتر اور اچھی زندگی گزارنے کے قابل نہیں رہتا۔ بلھے شاہؒ پہلے سے موجود جوابات کو شک کی نظر سے دیکھتے تھے۔ کیونکہ اس طرح کے انسان کا غیر لچکدار رویہ اسے بے ساختہ پن، خلوص اور حقیقت پسندی سے دور لے جاتا ہے رسوم و رواج کے ذریعے عائد کردہ آداب باتوں میں تمیز کرنے کے اہل نہیں رہتا۔ ایسی شخصیات جو شیلی اور تخیل سے عاری ہوتی ہے اور اس طرح وہ ایک ایسی تنگ نظر شخصیت کا مالک بن جاتا ہے جس کے اندر کوئی نئی بات یا نیا خیال پیدا نہیں ہوتا۔ بلھے شاہؒ کے بقول ان کے دور میں تدریس اور علم کا حصول لفظوں کا کھیل یا مداری کا تماشہ بن کر رہ گیا تھا جو عالم ایسا علم پڑھاتے تھے وہ خود بھی اس علم سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے تھے۔ عام لوگ ان سے وہی مطلب نکالتے تھے جو ان کو بتائے جاتے تھے۔ ان غلط اور دکھاوے کے عالموں کے بارے میں، جو کتابوں کے علم میں تحریف کرتے ہیں۔ بلھے شاہؒ کہتے ہیں۔

اینویں قصے کاہنوں گھڑناں ایں

تے گلستان بوستان پڑھنا ایں

اینویں بے موجب کیوں لڑناں ایں

کس الٹا وید پڑھایا ہے

ترجمہ : تم علم اور الفاظ میں تحریف کرتے ہو اور اپنے پاس سے باتیں گھڑتے ہو۔ حالانکہ م گلستان و بوستان سعدی پڑھتے ہو مگر پھر بھی اس کے غلط مطالب نکالنے سے باز نہیں آتے اور مختلف مسائل پر بلا وجہ جھگڑتے ہو۔ لگتا ہے جیسے کسی نے تمہیں الٹا وید پڑھا دیا ہے۔ جس کے سبب ہماری سوچ بھی الٹی ہو گئی ہے۔

کیوں پڑھنا ایں گڈ کتاباں دی

سر چاناں ایں پنڈ عذاباں دی

کیوں ہویاں شکل جلاداں دی

اگے پینڈا مشکل بھارا اے

ترجمہ : کتابوں کے ڈھیر پڑھنے کا کوئی فائدہ نہیں تم نے سر پر مصائب کی گٹھڑی اٹھا رکھی ہے۔ اور تمہاری شکل جلادوں جیسی بن گئی ہے۔ یعنی تم جلاد دکھائی دیتے ہو۔ اگلے جہان میں جوابدہی کے وقت تمہیں مشکل پیش آئے گی۔

یہ ایسا ہی ہے جیسے سر پر کتابوں کا بوجھ اٹھا رکھا ہو مگر دل و دماغ میں کوئی بات یا علم نہ پہنچ سکے۔ ہ حصول علم میں سادگی اور خلوص پر زور دیتے اور پہلے سے طے شدہ عقائد پر اتفاق نہ کرتے ہوئے شک کرتے۔ انہیں پرکھتے اور نامنظور کرتے ہیں۔ خاص طور پر مذہبی رسوم و رواج کی ندھی تقلید کے خلاف تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اجتہاد اور تبدیلی وقت کی اہم ضرورت تھی کیونکہ وہ چاہتے تھے کہ لوگ دوسروں کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے کے بجائے خود سوچیں اور غور کریں۔ نہیں خیالات کے زیر اثر انہوں نے زوردار شاعری کی۔ کہتے ہیں:

ملاں مینوں مار دا اے

ملاں مینوں سبق پڑھایا

الفوں اگے کجھ نہ آیا

اوہ ب ای ب پکارا دا اے

ترجمہ : مجھے استاد (مولوی) مارتا ہے۔ کیونکہ مجھے جو سبق وہ پڑھاتا ہے، مجھے نہیں آتا اور میں اب تک 'الف' سے آگے نہیں جا سکا جبکہ وہ مجھے 'ب' یعنی اگلا سبق پڑھانا چاہتا ہے۔

ان کا کہنا ہے کہ جب تک سبق کا پہلا قدم پورا نہ ہو دوسرا قدم نہیں اٹھانا چاہیے ان کے دور کے اساتذہ شریعت اور فقہ کے حوالے سے ہر بات کو مستند یا غیر مستند قرار دیتے تھے۔ جبکہ بلھے شاہؒ خود ہر بات کی تہہ تک پہنچنا چاہتے تھے۔ ان کی دی گئی کافی سے یہ نظریہ واضح ہوتا ہے کہ جب عمارت کی پہلی اینٹ ہی غلط رکھی جائے گی تو عمارت کی بنیاد ہی غلط پڑے گی اور تمام عمارت ٹیڑھی بنے گی اس لیے پہلی اینٹ کی درستگی پر زور دینا چاہیے۔ اس طرح اگر بچوں کو شروع میں غلط، غیر واضح اور جھوٹ پر مبنی حقائق بتائے جائیں گے تو بڑے ہو کر ان کے لیے سچ اور جھوٹ میں تمیز کرنا مشکل ہوگا۔ اس لیے جب تک پہلی سیڑھی پر قدم درست نہ پڑے آگے نہیں بڑھنا چاہیے۔ پھر اگر 'الف' کی سمجھ آجائے تو تمام علوم کی سمجھ آجاتی ہے کیونکہ تمام حروف 'الف' ہی کی مختلف شکلیں ہیں۔ یہ بات کائناتی سچائی یعنی ''وحدت الوجود'' کے فلسفے کو بھی واضح کرتی ہے کہ ہر شے کی اصل ایک ہے۔

بلھے شاہؒ اپنی ایک مشہور کافی میں ایسی تعلیم کو رد کرتے ہیں جو روزمرہ زندگی میں استعمال نہ ہو سکے۔ جو لوگ محض دولت کمانے کے لیے یا شہرت حاصل کرنے کے لیے ایسی تعلیم حاصل کرتے اور پھر اسے آگے پھیلاتے ہیں وہ نہ خود اس علم سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور نہ دوسروں کے لیے یہ فائدہ مند ہو سکتا ہے۔ وہ ایسی تعلیم کے خلاف یوں آواز اٹھاتے ہیں۔

علموں بس کریں او یار

اکو الف تیرے درکار

پڑھ پڑھ لکھ لکھ لائے ڈھیر

ڈھیر کتاباں چار چوفیر

گردے چانن وچ ہنیر

پچھو راہ تے خبر نہ سار

(کافی نمبر 79)

ترجمہ :اے دوست' بیکار علم کے حصول سے باز رہو' تمہیں صرف 'الف' کی ضرورت ہے۔
کتابیں پڑھتے ہو جن کے ڈھیر تمہارے چاروں طرف لگے ہیں۔ تمہارے اردگرد کتابوں کی
شنی تو ہے مگر دل میں اندھیرا ہے۔ تمہارے باطن کو اس علم سے کوئی فائدہ نہیں اور نہ تمہیں درست
ستے کا علم ہو سکا ہے۔

ایسا عالم جس کے چاروں طرف کتابوں کا ڈھیر لگا ہو مگر اندر اندھیرا ہو وہ علم کی روشنی کیسے پھیلا
سکتا ہے۔ بلھے شاہؒ کے خیال میں ہمارے علم حاصل کرنے کے ذرائع سب نامکمل ہیں اور عیب
سے پاک نہیں۔ چنانچہ غلطی کا امکان موجود رہتا ہے اسی لیے انسانی علم محدود ہو کر رہ جاتا ہے۔
ب تک کہ اسے وسیع تر علم اور وسیع تر علم حاصل کرنے کے امکانات کے ساتھ نہ جوڑا جائے۔ خود
اختہ ملاں قرآن تو زبانی یاد کر لیتا ہے۔ حج کرنے بھی چلا جاتا ہے مگر ان رسوم ورواج کے پیچھے
جذبہ اور روح کارفرما ہے اس کو نہیں سمجھ سکتا۔ وجہ یہ ہے کہ وہ کڑپن کے چکر میں پھنسا ہوا ہے۔
کہتا ایک بات ہے اور عمل دوسری پر کرتا ہے۔ وہ اپنے فائدے کے لیے علم کو بیچتا ہے اور صرف
اسی طریقے پر ہی چل رہا ہے۔

بلھے شاہؒ اس قسم کے خشک مزاج اور جاہل عالموں کے خلاف تھے وہ فکری ٹھہراؤ' اندھی تقلید' غیر
علمی تعصب' غیر رواداری کو اس کی ترقی کیلئے نقصان سمجھتے تھے۔ وہ زندگی کے بنیادی اصولوں سے
نئے حقائق تلاش کرنے پر زور دیتا ہے۔ ان کے خیال میں علم کی تدریس کو حاکم وقت کی سیاستوں
سے بالا ہونا ضروری تھا اور اسے خودمختار طور پر حاصل کرنے کے مواقع مہیا ہونے چاہیں۔ علم کو

کسی نظریے کا پابند یا وقتی ضروریات کے تحت نہیں ہونا چاہیے۔ اور اسے درست، بے عیب، واضح اور حتمی ہونا چاہئے۔ اس مقصد کے لیے اسے مستحکم بنیادوں پر استوار کرنا چاہئے بلھے شاہؒ نے اپنے زمانے کے نظام تعلیم اور معاشرتی اقدار پر کڑی تنقید کی اور اپنی شاعری کے ذریعے اصلاح کی بھرپور کوشش کی۔

بلھے شاہؒ عشقِ الٰہی کا ترجمان

باوا بدھ سنگھ نے اپنی کتاب "ہنس چوگ" میں بلھے شاہ کو پنجاب کا رومی لکھا ہے۔ جلال الدین رومی ایران کے ایک عظیم صوفی اور عشق الٰہی کے ترجمان شاعر تھے۔ ان کا عشق بھی بلھے شاہ کی طرح عشقِ خدا تھا۔ انہوں نے کہا تھا۔ "عشق کی وہ کہانی جو سیاح سناتے ہیں اسے سننا ترک کر دو۔ اپنی بھرپور قوت سے خدا کی عبادت کرو۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ "وہ روح جو عشق الٰہی میں ملبوس نہیں تو اس کا نہ ہونا ہی بہتر اور اگر یہ ہوتی تو باعث شرم ہوتی۔ بغیر کاروبارِ عشق کے محبوب کے یہاں داخلہ ممکن نہیں۔ رومی کی طرح بلھے شاہ نے بھی مذہب عشق کی تبلیغ کی ہے اپنے محبوب کے لئے اس کی اطاعت وخود سپردگی مکمل تھی۔ یہ عشق برائے عشق تھا اس کے علاوہ کچھ اور مقصد نہ تھا۔ ہیڈ لینڈ ڈیوس نے "وزڈم آف دی ایسٹ سیریز" کی اپنی کتاب "فارسی صوفیاء" میں جلال الدین رومیؒ کے بارے میں تحریر کرتے ہوئے مندرجہ ذیل انداز سے روحانی عشق پر روشنی ڈالی ہے۔

"لیکن عشق ایک ایسا روحانی جوہر ہے جو اپنے غیر فانی نام کے لئے بے شمار زندگیوں میں سے گزرتا چلا آرہا ہے۔ شخصیت فانی دنیا کی حدود تک محدود رہتی ہے۔ یا زیادہ سے زیادہ لحد کی زندگی تک، ایسا ہی بے گنتی شخصیتوں میں سے چند کے ساتھ رہا ہے کہ انہیں قبر میں جانے کے بعد بھی یاد کر لیا جاتا ہے۔ ورنہ باقی سب فنا ہے۔ ہم انسانی فطرت کے اعتبار سے عشق کرتے ہیں۔ اگر یہ عشق مادی ہوتا ہے تو محبوب کی موت کے ساتھ فنا ہو جاتا ہے۔ اگر یہ عشق بے پایاں ہوتا ہے اور پاکیزگی، نیکی، فضیلت اور حسین و دلپذیر محبت کے لئے ہوتا ہے تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قائم رہتا

ہے۔

مگر یہ تمام چیزیں انسان میں لافانی نہیں ہیں۔یہ چیزیں رگ و پے میں اتر جانے والے جوہر اور عشق روحانی سے تعلق رکھنے والی ہیں۔محبت خدا کا نور بن کر مردوں اور عورتوں میں موجود ہے۔ یہ لالٹینوں کی روشنی کی طرح نہیں۔کیونکہ انسانی جسموں کا خاک ہو جاتا ہے۔انسانوں کی یادیں اور آرزوئیں ختم ہو جانے والی ہیں۔مگر مکمل پاکیزگی و نیکی بھرپور حسن و جمال کا عشق ہی باقی رہتا ہے اور جب یہ سب کچھ ارضی محبت میں پایا جائے تو یہی خدا کی تلاش ہے۔یعنی خدا تم میں اور تم خدا میں۔یہی تصوف کی سب سے عظیم تعلیم ہے اور اسی کو مذہب عشق کہتے ہیں۔

رومی کی طرح بلھے شاہ نے بھی مذہب عشق کی تبلیغ کی ہے اپنے محبوب کے لئے اس کی اطاعت و خود سپردگی مکمل تھی۔یہ عشق برائے عشق تھا اور اس کے علاوہ کچھ اور مقصد نہ تھا۔اس نے تمام حالات میں صرف اپنے محبوب کی طرف ہی دیکھا۔اس قسم کی عقیدت ہندوستانی ادب میں ''انین بھگتی'' کے نام سے مشہور ہے۔بلھے شاہ نے کہا۔

پیارے بس کر بُہتی ہوئی
تیرا عشق مری دلجوئی
میرا تدھ بن اور نہ کوئی
اماں ، بابل، بھین نہ بھائی

(کافی نمبر 134)

ترجمہ :

او محبوب! اب بس کر دے اب بہت ہو چکا ہے
تیرا عشق میری دلجوئی کا سامان ہے
تیرے علاوہ میرا کوئی نہیں ہے
نہ ماں ، نہ باپ ، نہ بہن نہ بھائی

جیسا کہ سطور بالا میں کہا جا چکا ہے۔ بلھے شاہ کا عشق ان صوفیاء کے عشق سے بالکل مختلف ہے
جو طریقت کے ماننے والے ہیں۔ بلھے شاہ کے نزدیک شریعت (قانون) دنیا میں ادب آداب یا
زندگی کے فرائض کو انجام دینے کی تعلیم دیتی ہے۔ لیکن بلھے شاہ کا ان رسمی امور سے کوئی سروکار
نہیں، بلھے شاہ تو خدا سے وصل کا مشتاق ہے اس لئے اس نے عشق کا راستہ اپنایا ہے۔ اس نے
بیان کیا ہے۔

کرم شرع دے دھرم بتاون
سنگل پاون پیریں
ذات مذہب ایہہ عشق نہ پچھدا
عشق شرع دا ویری

(کافی نمبر 17)

ترجمہ: شریعت کے فرائض وہ راستہ متعین کرتے ہیں
جو ہم کو پابند بناتا ہے
لیکن عشق ہم سے ذات یا مذہب کے بارے میں سوال نہیں کرتا
عشق تو شریعت کا دشمن ہے

شریعت کے محافظ ملا تھے جنہوں نے بعض اوقات غلط طریقوں پر عمل کیا۔ بلھے شاہ جیسے حقیقی
روحانی صوفیوں نے ان کے خلاف بغاوت کی۔ بلھے شاہ کا نام بھی باغی پڑا۔ جب کوئی صوفی
عرفان الہیٰ کی راہ میں بلند پرواز پر ہوتا ہے تو وہ نظم وضبط کی پابندیوں سے تنگ آ کر شریعت کے
خلاف بغاوت کی آواز بلند کرتے ہوئے کہہ جاتا ہے۔

عشق شرع کیہہ ناطہ؟
(عشق کا شریعت کے ساتھ کیا رشتہ؟)

(کافی نمبر 140)

بلھے شاہ کی شاعری کا مرکز تصور عشق ہے جو خون پیتا ہے اور گوشت کھاتا ہے۔ "عشق" کے علاوہ بلھے شاہ نے پیار کے لئے اپنی کافیوں میں جن الفاظ کا استعمال کیا ہے۔ ان میں پریم، پیت (پریت) نیہوں، لگن، چاہت، اور محبت شامل ہیں۔ لیکن عشق لفظ کا استعمال بار بار کیا گیا ہے۔ عشق کے ساتھ تعلق رکھنے والے الفاظ ہیں عاشق (چاہنے والا) اور معشوق (جس سے عشق کیا جائے) بلھے شاہ کی کافیاں عاشق اور معشوق کے خیالات سے بھری ہوئی ہیں۔ بلھے شاہ کا بیان ہے۔

بلھا کیہہ جانے ذات عشق دی کون
نہ سُوہاں نہ کم بکھیڑے ونجے جاگن سَون

(کافی نمبر 26)

ترجمہ بلھا عشق کی فطرت کے بارے میں کیا جانے
نہ شناسائی، نہ کام اور نہ کوئی بکھیڑا، خواب و بیداری کا احساس ہی جاتا رہا ہے۔

عشق دو قسم کا ہوتا ہے۔ نمبر 1 عشق مجازی یعنی مرد کا عورت سے عشق، نمبر 2 عشق حقیقی یعنی بندے کا اللہ سے عشق، اگرچہ بلھے شاہ بڑی استواری کے ساتھ خدا کے عشق میں رنگا ہوا ہے۔ لیکن اس نے مجازی عشق کی بات بھی اپنی شاعری میں کی ہے۔ اس نے لکھا ہے۔

بجھر نہ عشق مجازی لاگے
سوئی سیو نہ بن دھاگے
عشق مجازی داتا ہے
جس پچھے مست ہو جاتا ہے

(کافی نمبر 50)

ترجمہ: جب تک عشق مجازی کا مشاہدہ نہ کیا جائے کوئی عشق حقیقی میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ جس طرح کوئی سوئی بغیر دھاگے کے نہیں سی سکتی اسی طرح عشق مجازی ایک ایسا عمل ہے جس

ی نیکی کے طفیل عشق حقیقی کا کیف و سرور ملتا ہے عشق مجازی کے سلسلے میں اسی طرح کا نظریہ بلھے شاہ کا بھی ہے۔ اس نے ہیر رانجھا کے عشق کو کچھ اس طرح اپنا لیا تھا کہ وہ خود ہیر کا روپ دھار کر پنے محبوب رانجھا (خدا) کی تلاش میں نکل پڑتا ہے۔ ری نولڈ نکلسن کے الفاظ میں۔

''شاعروں کے خیال کے مطابق خدا ایک ایسا لافانی حسن ہے جو اپنی فطرت کے اعتبار سے معشوق ہونے کی خواہش کرتا ہے۔ اس کا ظہور محبت کے لئے ہوا ہے۔ اور یہی محبت کا حقیقی محرک ہے۔ یہاں تک کہ ارضی محبت بھی ایک قسم کی روحانی محبت ہو جاتی ہے۔ جو حقیقت کی طرف رہنمائی کرنے والے پل کی طرح ہے۔ روح اپنے جوہر ذاتی میں مقدس ہے جو اپنی شخصیت کے جداگانہ وجود سے وصال کی آرزو مند رہتی ہے جس سے وہ علیحدہ ہو گئی ہے اور یہ کہ اس کی انتہائی آرزو جو اس کو اپنی ذات سے گزرنے اور وجد و انبساط کے پروں پر پھیلنے کے لئے اکساتی ہے۔ ایک واحد ذریعہ ہے جس سے یہ اپنی حقیقی منزل کو لوٹ سکتی ہے۔ محبت ایک ایسی شے ہے کہ اگر یہ اصلی محبت ہے تو بالکل تانبے کی دھات کی طرح آگ میں تپ کر خالص سونا بن جاتی ہے اور اس طرح کی صورت ہر قسم کی مخلوق کے ساتھ پیش آتی ہے۔''

عشق کوئی آسان کام نہیں یہ کانٹوں کی وادی ہے جس کسی نے بھی اس وادی میں قدم رکھا وہ گویا اذیتوں میں داخل ہوا۔ بلھے شاہ نے اس سلسلے میں یوسفؑ، زلیخاؑ، اسماعیلؑ، یونسؑ، ابراہیمؑ، سلیمانؑ، صابر، منصور، ذکریاؑ، سرمد، شمس، شرف، قلندر، ہیر، لیلیٰ مجنوں، سسی پنوں، سوہنی مہینوال، مرزا صاحباں، رودا جلالی وغیرہ کی مثالیں دی ہیں۔ وہ ہر مثال کے ساتھ دہراتا ہے کہ

رہو رہو وے عشقا ماریا ای
کہو کس نوں پار اتاریا ای

(کافی نمبر 65)

ترجمہ: او عشق، وہیں رک جا، تو نے اچھے تازیانے لگائے ہیں
بتا کہ اب تک تو نے کس کو منزل مقصود تک پہنچایا ہے۔

روحانی عشق ہمیشہ تازہ رہتا ہے۔کافیوں میں سے یہ ایک ٹیپ کا بند ہے۔عشق ہندو اور مسلمان میں کوئی امتیاز نہیں کرتا۔ بلھے شاہ کہتا ہے۔

عشق دی نویوں نویں بہار
جد میں سبق عشق دا پڑھیا
مسجد کولوں جیوڑا ڈریا
ڈیرے جا ٹھاکر دے وڑیا
جتھے وجدے ناد ہزار

(کافی نمبر 76)

ترجمہ: روحانی عشق نئی سے نئی بہار لاتا ہے
جب میں نے عشق کا سبق پڑھا
میرے دل میں مسجد کا خوف پیدا ہوا
پھر میں مندر میں داخل ہوا
جہاں سے سنگیت کے ہزار ساز بجنے کی آواز آتی ہے

عشق کی تخلیق کردہ وجدانی کیفیت نے بلھے شاہ کو باغی بنا دیا تھا۔ایک کافی یہاں درج کی جاتی ہے۔

جاں میں رمز عشق دی پائی
مینا ، طوطا ، مار گوائی
اندر باہر ہوئی صفائی
جت وَل ویکھاں یارو یار
عشق دی نویں نوں بہار
ہیر رانجھے دے ہو گئے میلے

بھلی ہیر ڈھونڈیندی بیلے
رانجھا یار بُکل وچ کھیلے
مینوں سُدھ رہی نہ سار
عشق دی نویں نوں بہار

وید قرآناں پڑھ پڑھ تھکے
سجدے کر دیاں گھس گئے متھے
نہ رب تیرتھ نہ رب مکے
جس پایا تس نور انوار
عشق دی نویں نوں بہار

پھوک مصلّہ بھن سٹ لوٹا
نہ پھڑ تسبیح عاصا سوٹا
عاشق کہندے دے دے ہوکا
ترک حلالوں ، کھا مردار
عشق دی نویں نوں بہار

عمر گنوائی وچ مسیتی
اندر بھریا نال پلیتی
کدے نماز توحید نہ نیتی
ہن کی کرنا ایں شور پکار
عشق دی نویں نوں بہار

عشق بھلایا سجدہ تیرا
ہن کیوں اینویں پاویں جھیڑا

بلھا ہندا چُپ بیٹھرا
عشق کریندا مارو مار

عشق دی نویں نوں بہار

(کافی نمبر 76)

ترجمہ: جب میں نے عشق کے رازکو پالیا تو سب "میں اور تو" ختم ہوئے۔ تمام ظاہر اور باطن صاف ہو گئے جہاں کہیں میں نظر ڈالتا ہوں مجھے محبوب ہی دکھائی دیتا ہے۔ عشق کی نو بہ نو بہار ہے۔

ہیر کا رانجھے سے ملاپ (ملن) ہو گیا ہے۔ نادان ہیر اسے جنگل اور صحرا میں تلاش کرتی پھرتی ہے۔ لیکن محبوب رانجھا اس کی لپٹی ہوئی چادر میں کھیل رہا تھا۔ اسے دیکھ کر میں اپنے ہوش وحواس میں نہ رہا۔ یہ تو عشق کی نو بہ نو بہار ہے۔

میں وید اور قرآن پڑھ پڑھ کر تھک گیا ہوں۔ میرا ماتھا سجدہ ریزی میں گھس گیا ہے۔ خدا نہ تیرتھ میں ہے نہ مکے میں۔ (مقدس مقامات میں نہیں ہے) جس کسی نے اس کا عرفان پالیا، اسی نے اس کے نور عظیم کا نظارہ کر لیا۔ عشق کی تو نو بہ نو بہار ہے۔

مصلیٰ کو جلا دے۔ لوٹا توڑ دے۔ عصا، ڈنڈا اور تسبیح نہ پکڑ۔ عاشق با آواز بلند کہتے ہیں۔ "حلال چیزیں چھوڑ دو اور حرام چیزیں کھا۔" (ممنوعہ کھانا کھاؤ) عشق کی نو بہ نو بہار ہے۔

میں نے مسجد میں اپنی زندگی برباد کی، میرا باطن غلاظت سے بھرا ہوا ہے۔ میں نے نہ عبادت کی نہ توحید کو مانا۔ اب تم کیوں اونچی چیخیں بلند کرتے ہو عشق مجھے سجدہ ریزی کی راہ سے گمراہی کی طرف لے چلا ہے اب تم مجھ سے کیوں جھگڑتے ہو۔ بلھے شاہ اس وقت سخت خاموشی اختیار کر لیتا ہے۔ جب طاقتور عشق اپنا سر اٹھاتا ہے۔

بلھے شاہ نے عشق حقیقی کا بھی بیان کیا ہے۔ وہ کہتا ہے۔

(کافی نمبر 77)

ترجمہ: عشق حقیقی میرے دل پر قابض ہو گیا ہے۔ مجھے بتاؤ کہ میرے محبوب کا گھر کدھر ہے۔

حالتِ عشق میں بلھے شاہ سوال کرتا ہے۔

کیوں عشق اساں تے آیا ہے

ئوں آیا ہے میں پایا ہے

(کافی نمبر 92)

ترجمہ: اے عشق تو کیوں میرے پاس آیا ہے

تو آیا ہے اور میں نے تجھے پہچان لیا ہے۔

محبوب سے وصل کے لئے بلھے شاہ اپنے جسم کو ایک آتش دان بناتا ہے اور دماغ کو سندانی جس پر محبت کا ہتھوڑا پڑتا ہے اس صورت میں فولادی دل پگھل اٹھتا ہے۔

حالت فراق

روحانی عشق کے تلخ تجربات کی راہ سے گزرتے ہوئے بلھے شاہ بہت بار فراقِ محبوب میں درد کی ٹیس محسوس کرتا ہے۔ چنانچہ وہ محبوب کی ستم گر اور سنگدل کہہ کر پکارتا ہے۔

کیہہ بے درداں سنگ یاری

روون اکھیاں زار و زاری

سانوں گئے بیدردی چھڈ کے

جسموں جند نوں لے گئے کڈھ کے

ایہہ گل کر گئے ہنسیاری

(کافی نمبر 96)

ترجمہ: اس سنگدل سے محبت کی کیا بات کہوں

میری آنکھیں زار زار روتی ہیں، چھوڑ کے جانے والے

اس ستم گر محبوب نے مجھے فراق میں مبتلا کر دیا ہے

اور میرے جسم سے جان نکال لی ہے

اس نے یہ نہایت ظالمانہ انداز سے کیا ہے

عاشق دنیا کی پرواہ نہیں کرتا وہ تمام لعنت و ملامت اور طعنے برداشت کرتا ہے اپنے محبوب کے فراق میں ہر طرح کے جسمانی و ذہنی کرب و تکلیف اٹھاتا ہے۔ بلھے شاہ کا بیان ہے

برہوں آوڑیا وچ ویہڑے

زور و زور دیوے تن گھیرے

عاشق کی زندگی میں ایک وقت ایسا آتا ہے جب فراق کی رات کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور وصل کی صبح طلوع ہوتی ہے۔ عاشق کیف و سرور کے عالم میں رقص کرتا ہے۔ اور دوسرے طالبوں سے تقاضا کرتا ہے کہ وہ اسے مبارک باد دیں۔

آؤ سیو! رل دیونی ودھائی

میں ور پایا رانجھا ماہی

(کافی نمبر 19)

ترجمہ: دوستو! آؤ اور سب مل کر مجھے مبارک باد دو

میرے محبوب رانجھا سے میرا ملن ہو گیا ہے

ہیر بن کر صوفی بلھے شاہ اپنے محبوب رانجھا کی تلاش میں تھا کہ محبوب ایک یوگی کا بھیس بدل کر آتا ہے اور عاشق خود کو رانجھا کی یوگینی (محبوبہ) کے نام سے پکارتا ہے۔ بلھے شاہ کہتا ہے۔

رانجھا جوگیڑا بن آیا

واہ سانگی سانگ رچایا

رانجھا جوگی تے میں جگیانی
اس دی خاطر بھرساں پانی
ایویں پچھلی عمر وہانی
اس ہن میں نوں بھرمایا

(کافی نمبر 61)

ترجمہ: رانجھا (محبوب) جوگی بن کر آیا ہے
اس بہروپیے نے کیا خوب بہروپ بنایا ہے
اداکار نے ایک بہت ہی عجیب و غریب کھیل کھیلا ہے
رانجھا ایک جوگی ہے اور میں اس کی جوگن ہوں
میں اس کے لئے کچھ بھی کرنے کو تیار ہوں
میری پچھلی زندگی بیکار ہی کٹی
اس نے مجھے اب اپنے چھل بل دکھائے ہیں
وہ محبوب جس کا بلھے شاہ کو عرفان ہوا وہ رگ رگ میں سرایت کیا ہوا ہے ہر دل میں موجود ہے۔

دارو درد نہ باجھوں تیرے
میں سجناں باجھ مرینی ہاں
متر پیارے کارن نی میں لوک الاہمے لینی ہاں

(کافی نمبر 109)

ترجمہ: سوائے تیرے میرے درد کا اور کوئی علاج نہیں
میں محبوب کے بغیر مرے جا رہا ہوں
میں محبوب کی خاطر لوگوں کی لعنت و ملامت
اور سرزنش جھیل رہا ہوں

عاشق بے صبر ہو جاتا ہے
اور ذہنی کرب سے چلا اٹھتا ہے

جاگ دیاں میں گھر وچ لٹی
کدی نہیں ساں بیٹھی اٹھی
جس دی ساں میں اوسے کٹھی
ہُن کیہہ کر گیا بے پرواہی
میرے کیوں چر لایا ماہی

(کافی نمبر115)

ترجمہ: جب میں جاگا تو میں اپنے گھر میں لٹ چکا تھا
میں اپنے محبوب سے کہیں دور نہیں گیا
لیکن جس سے میرا تعلق ہے اس نے خود مجھے دغا دیا ہے
اس نے شدید لاپرواہی کا رویہ مجھ سے اختیار کیا ہوا ہے
میرا محبوب کیوں ایک عرصہ دراز سے نہیں آیا
گویا یہ وہی مشہور قدیمی مناجات والی بات ہے کہ

تیری ذات ہے اکبری سروری
مری بار کیوں اتنی کری

بعض اوقات عاشق انتہائے عشق میں محبوب کو خواب میں دیکھتا ہے جو ایک لحہ بھر کے لئے ظاہر ہو کر چھپ جاتا ہے۔ عاشق زبردست روحانی اذیت میں چیخ اٹھتا ہے۔

ویکھوئی پیارا مینوں سفنے دے وچ چھل گیا

(کافی نمبر150)

ترجمہ: دیکھو! میرا محبوب خواب میں مجھ سے چال چل گیا

سیو! ہُن میں ساجن پائیو نی
ہر ہردے وچ سمائیو نی

(کافی نمبر75)

ترجمہ: او دوستو! اب مجھے اپنے محبوب کا عرفان ہو گیا ہے۔
جو ہر دل میں بستا ہے
بعض اوقات صوفی حیرت و استعجاب میں استفسار کرتا ہے

کون آیا پہن لباس کڑے
تسی پچھو نال اخلاص کڑے

(کافی نمبر88)

ترجمہ: کون اس نئے لباس میں وارد ہوا ہے
او لڑکیو! اس سے اخلاص کے ساتھ پوچھو
محبوب سے وصل کے لمحات کے دوران بلھے شاہ چاہتا ہے کہ وقت کا حساب کتاب رکھنے والے گھڑیالی) کو نوکری سے برطرف کر دیا جائے۔ تاکہ وہ عالم وصل میں حرج پیدا نہ کر سکے۔ وہ کہتا ہے۔

گھڑیالی دیو نکال نی
اج پیا گھر آیا لال نی
گھڑی گھڑی گھڑیال وجاوے
رین وصل دی پیا گھٹا وے
میرے من دی بات جے پاوے
ہتھوں چا سٹے گھڑیال نی

(کافی نمبر104)

ترجمہ: گھڑیالی کو نکال باہر کرو

آج میرا محبوب گھر آیا ہے

گھڑیالی وقفوں وقفوں سے گھنٹے بجا بجا کر

وصل کی رات گھٹائے جا رہا ہے

اگر وہ جانتا ہے کہ میں کون ہوں اور میرے دل میں کیا ہے

تو اس کو اپنے ہاتھ سے گھڑیال (گھنٹہ) پھینک دینا چاہیے۔

حضرت بلھے شاہؒ کی شاعری

عوام میں یہ بات مشہور ہے کہ جب حضرت بلھے شاہؒ نے شاعری کا آغاز کیا اور مرشد کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے اس فعل کو پسند نہ فرمایا بلکہ ناراضگی کا اظہار کیا۔ جب انہوں نے آپ کے اشعار سنے تو ان کی غلط فہمی دور ہو گئی اور حضرت بلھے شاہ کی علمیت و قابلیت کی تعریف کئے بغیر نہ رہ سکے۔ جب مرشد نے شاگرد کی کافیوں میں علم و معرفت اور حکمت کی باتیں دیکھیں تو انہیں اس فن کی اجازت دے دی، مرشد کی اس حوصلہ افزائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ نے سینکڑوں اشعار کہہ ڈالے۔ ان اشعار کے طفیل آپ کو لافانی شہرت نصیب ہوئی۔

حضرت بلھے شاہؒ صاحب جذب تھے۔ ان کا ہر شعر روح کی گہرائیوں سے نکلتا ہے اور دل کی تہوں میں اتر جاتا ہے' یہی وجہ ہے کہ ان کے پاکیزہ نغموں سے پنجاب کے گاؤں' قصبے اور شہر گونج اٹھے۔ جن کی شہرت اپنے وطن سے نکل کر دور دور پھیلی۔ آپ قصد کے بیان کی بجائے زیادہ تر جذب کی کیفیت کا اظہار کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ آپ کی آوازیں سوز' جذب اور وارفتگی سے پُر تھی اور یہی خوبیاں آپ کو حضرت شاہ حسینؒ اور حضرت سلطان باہوؒ کی صف میں لا کھڑا کرتی ہیں۔ آپ کا ہر بیان عجز و انکساری اور احترام کا مظہر ہے۔ آپ کے کلام میں جا بجا کتب حدیث و فقہ اور آیات قرآنی کے اقتباسات موجود نظر آتے ہیں۔

آپ کے کلام کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس سے تعلیم یافتہ طبقہ بھی لطف اندوز ہوتا ہے اور ناخواندہ بھی' آپ کے اشعار میں حقیقت' سچائی اور خوبصورتی جا بجا عیاں ہے۔ آج بھی عورتیں گھروں میں کسان کھیتوں میں' بچے گلیوں کوچوں میں' صوفیاء خانقاہوں میں' حضرت بلھے

شاہؒ کے کلام کو پڑھتے سنتے اور سر دھنتے ہیں۔

آپ نے اپنی شاعری میں تصوف کے باریک نکات اور زندگی کے حقائق کو انتہائی دلکش اور لطیف پیرایہ میں پیش کئے ہیں۔ آپ کی شاعری کا اہم پہلو وہ ہے جس میں انہوں نے وحدۃ الوجود کا عقیدہ لوگوں کے سامنے پیش کیا تا کہ عوام کی زندگی تکلیفوں اور مُصیبتوں کے باوجود اطمینان قلب پائے۔ آپ کل وجود کو ایک وحدت خیال کرتے ہیں۔ اسی تصور کو اپنے مرشد کی تقلید میں جو اسی مکتب فکر سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ نے اپنے کلام میں پیش کیا ہے۔

حضرت خواجہ سلیمان تونسویؒ کے ارشادات اور ملفوظات کے مجموعہ ''نافع السالکین'' میں لکھا ہے کہ حافظ شیرازیؒ نے مسئلہ وحدت الوجود کو صوفیہ کی اصطلاحات کے پردہ میں بیان کیا ہے اصطلاحات صوفیاء کے جانے بغیر حافظ کا کلام سمجھ میں نہیں آسکتا۔ نیز فرمایا کہ بلھے شاہؒ (بلاشبہ) شمشیر برہنہ کی مانند ہیں کہ انہوں نے مسئلہ وحدت الوجود کو بے پردہ بیان کیا ہے دوسرے عارفین نے مسئلہ مذکورہ کو عربی یا فارسی زبان میں بیان کیا ہے۔ لیکن بلھے شاہؒ نے ہندی میں بیان کیا ہے۔ ہندی سے آپ کی مراد پنجاب کے عوام کی زبان ہے۔ اصل فارسی متن ملاحظہ کریں:۔

''نیز فرمودند کہ حافظ شیرازیؒ مسئلہ وحدت وجود اور پردہ اصطلاحات صوفیہ بیان نمودہ کہ بغیر دانستن اصطلاحات صوفیا کلام دیوان حافظ مفہوم کسی نشو نیز فرمودند کہ بلھا شاہ شمشیر برہنہ است کہ مسئلہ وحدت وجود را بغیر پردہ نمودہ دیگر عارفان مسئلہ مذکورہ اور لغت عربی و فارسی بیان نمودہ و بلھا شاہ در ہندی۔''

آپ کی شاعری میں پیار، محبت، امن، رواداری اور اطاعت کا پیغام ملتا ہے، آپ کے کلام میں سوچ، رس، سوز اور تڑپ، لطافت، سادگی اور پاکیزگی پائی جاتی ہے۔ آپ کا کلام معرفت حکمت، دانائی، عبرت اور حقائق سے بھی خالی نہیں۔

حضرت بلھے شاہؒ کے کلام کا ایک ایک حرف اسرار الٰہی اور عشق حقیقی کا امین ہے۔ آپ کا کلام درویشوں کی خاص مجلسوں میں بڑے ادب و احترام کے ساتھ پڑھا جاتا ہے اور مست الست اور

حسب حال سُنکر چیخ اٹھتے ہیں آپ کے ایک ایک مصرعے سے ان کے دلوں کے کئی حجابات اٹھتے ہیں اور کئی اسرار و رموز ظاہر ہوتے ہیں۔

حضرت خواجہ غلام فریدؒ (کوٹ مٹھن شریف) کے ارشادات اور ملفوظات کا مجموعہ جو ارشادات فریدیؒ" کے نام سے طبع ہو چکا ہے اس کی جلد دوئم (صفحہ ۵) میں لکھا ہے کہ حضرت کثر اوقات چاچڑاں شریف میں عرس کے موقع پر قوالوں سے کافی حضرت بلھے شاہؒ کی فرمائش کیا کرتے تھے' ایک دفعہ قوالوں نے کافی اوس پڑ تالی نچنا ہوں مینوں جس گت یار نچایا ہے" شروع کی تو حضرت خواجہؒ وجد میں آ گئے بہت زیادہ رقص وجست فرمایا اور آپ کی ذات بابرکات سے کمال جوش و خروش ظہور میں آیا۔ سامعین حیران ہو گئے۔

اصل عبارت ملاحظہ ہو:۔

"اکثر اوقات سرود و غزلہائے از قوالاں می شنیدند و بسیار وقت آنحضرت روا جد و سماع بجوش تمام طاری می شد۔ چنانچہ ازاں جملہ یکے ایں است کہ وقتے در مجلس عرس بمقام چاچڑاں شریف بریں کافی ہندی میاں بلی شاہؒ صاحب (بلھے شاہؒ)

"اوس پڑ تالی نچنا ہوں مینوں جس گت یار نچایا ہے"......از بس رقص وجست فرمودند. چند گی دروقت کمال جوش ازاں ذات بابرکات بظہور میرسید...... کہ حاضراں را حیرت واگرفتہ بود"

حضرت بلھے شاہؒ نے حضرت شاہ عنایت قادریؒ کی وفات کے بعد اپنی باقی ماندہ عمر شاعری' درویشی' فقیری' جذب اور سکر میں بسر کی۔

ڈاکٹر لاجونتی رام کرشنا نے اپنی کتاب "Panjabi Sufi Poets" میں ان کی شاعری کے تین مفروضاتی دور قائم کئے ہیں۔ اس کے بیان کے مطابق بلھے شاہؒ کی شاعری کا پہلا دور پنجاب کی روایتی صوفیانہ شاعری کا اثر لئے ہوئے ہے۔ یہ وہ دور ہے جب آپ مرشد کے تلاش میں سرگرداں تھے اور تصوف کے مختلف افکار کو سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ یہ بھی لکھتی ہے کہ بلھے شاہ کی اس دور کی شاعری فکری اعتبار سے ناپختہ ہے۔ دوسرا دور "فنا فی الشیخ" ہونے کا

زمانہ ہے جب مرشد کو آپ وسیلہ نجات سمجھتے ہیں۔ اپنی شاعری کے اس دوسرے دور میں وہ ہندو ویدانت فلسفے سے متاثر ہے۔ تیسرا دور ویدانت فلسفہ سے مکمل ہم آہنگی ہے۔ لاجونتی کے نزدیک بلھے شاہ کی شعری عظمت کی وجہ اس کی ہندوصوفیانہ روایت سے وابستگی ہے۔'

ڈاکٹر لاجونتی کے یہ خیالات حقائق پر مبنی نہیں ہیں۔

انیس ناگی (1) نے بلھے شاہؒ کی شاعری کو موضوعاتی اعتبار سے چار حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ اس کی شاعری کا ایک حصہ مرشد کی تلاش اور اس کے کرشماتی وجود سے متعلق ہے۔ شاعری کا دوسرا حصہ وحدت الوجود سے جڑا ہوا ہے۔ اپنے محبوب سے بے پایاں عشق اور ہجر کی کرب آمیز کہانی' اس کے کلام کا تیسرا حصہ اپنے عہد کے بنیاد پرست ملاؤں اور مقتدر طبقے کے خلاف احتجاج سے متعلق ہے۔ شاعری کے چوتھے حصے میں انسان دوستی اور وجود انسانی کی تردید کو موضوع بنایا گیا ہے۔''

''بلھے شاہ کی شاعری پر مسلم صوفی روایت کا اثر بہت گہرا ہے لیکن ویدانی فلسفہ' بابا گورونانک کے تصورات اور ہندی بھگتی شاعری کے بھی اثرات نظر آتے ہیں بلھے شاہ نے وحدت کی تلاش میں اسلامی اور ہندوصوفیانہ رویوں کو یکجا کیا ہے۔

پنجابی کے صوفی شعراء نے وحدت الوجود کے تصور کو صوفیانہ واردات کی بنیاد بنایا ہے۔ بلھے شاہؒ کی فکری اساس صرف ایک مذہب تک محدود نہیں رہی۔ وہ بنیادی طور پر انسانیت کا شاعر ہے جو تمام سماجی اور مذہبی تفرقات کو ختم کرنے کا طلبگار تھا۔ اس کی شاعری میں کم وبیش وہی موضوعات ہیں جو رومی' سرمد' ولیم بلیک یا کسی اور صوفی شاعر کے کلام میں پائے جاتے ہیں۔ تصوف مذہب کی توسیع ہے جو مذہبی ضابطوں سے ہٹ کر اپنا راستہ نکالتا ہے۔

مسلم فلسفے میں مسئلہ تناسخ کے ہندو نظریے کی کوئی جگہ نہیں۔ جیسا کہ بلھے شاہ نے اپنی کسی ایک کافی میں آواگون کے لفظ کا استعمال کیا ہے۔ 'پنجابی صوفی شاعر' کی مصنفہ لاجونتی راما کرشنا نے خیال ظاہر کیا کہ بلھے شاہؒ مسئلہ تناسخ میں عقیدہ رکھتا تھا۔ لفظ آواگون دنیا میں لوگوں کی عام طور پر

مہ' ولادت اور واپسی (موت) کی نشاندہی کرتا ہے۔ 'دی انڈین مسلمز' کے مصنف ڈاکٹر مجیب
بھی مذکورہ بلا دعوے کو اس نقطہ نظر کے ثبوت میں دی گئی مثالوں کی بنیاد پر رد کر دیا ہے۔

ناتھ ازم کا اثر

شطاری صوفی شیخ محمد غوث گوالیاری کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے سنسکرت پڑھی اور
جو کتابیں لکھی تھیں۔ ان کی تصنیف 'کلید مخازن' (خزانوں کی چابی) صوفیانہ تعلیمات کو جیوتش
کے نظریات کے ساتھ ملا کر پیش کرتی ہے۔ ان کی دوسری تصنیف ''بحر حیات'' (زندگی کا سمندر)
یوگیوں کے حرکت وعمل، ضبط نفس اور حبس دم کے طریقوں کی اندرونی کیفیت بیان کرتی ہے۔
ل کا شطاری عمل اور حبس دم پر قابو پانے کا ہنر قادریوں پر بھی اپنا اثر رکھتا تھا۔ سماع میں حبس دم پر
قابو کا پہلو 'آداب' کی شخصی مشقوں کا متوازی تھا۔ یوگ کے اصولوں پر مبنی سنسکرت کی کتاب
امرت کنڈا' کا ترجمہ عربی اور فارسی میں بھی دستیاب تھا۔

بلھے شاہ کو یوگیوں کے حبس دم میں دلچسپی اپنے شطاری بزرگوں سے وراثت میں ملی تھی۔ اس
نے اپنی ایک کافی میں تحریر کیا ہے۔

ثدکارن میں ایسا ہویا
نو دروازے بند کر سویا
در دسویں تے آن کھلویا
کدے من میری آشنائی

(کافی نمبر 134)

ترجمہ: تیرے سبب سے میں ایسا ہو گیا ہوں
میں نے نو دروازے بند کر لئے ہیں
(دو آنکھیں، دو کان، دو نتھنے، ایک منہ اور ولادت و اخراج کے حصے) اور ان کے سیاق وسباق
میں سو گیا ہوں۔

میں دسویں دروازے پر کھڑا ہوں۔
ازراہ کرم میری محبت قبول کر لے۔
بلھے شاہ روحانی نغمہ (Unstruck Sound) کی بھی بات کرتا ہے۔

ویشنومت کا اثر

ہندوستان میں ویشنومت بھگتی مسلک کے طور پر مشہور تھا۔ ایشور سے محبت کا بلند ترین مقام ویشنومت ہے۔ جسے ''پراپتی'' کہتے ہیں اور جو ایک مکمل ترین خود سپردگی ہے۔ اس مقام پر عاشق وہ آرزو کرتا ہے جس میں محبوب حقیقی کی مرضی ہوتی ہے۔ وہ پکا عقیدہ رکھتا ہے کہ اس کا تحفظ مالک حقیقی کرے گا۔ وہ خود کو ایک ذرہ کی مقدار تصور کرتے ہوئے محبوب حقیقی کی خدمت کے لئے پیش کرتا ہے۔ اور اس کی پناہ کا خوستگار ہوتا ہے۔ بلھے شاہ کے اشعار میں ہمیں یہ سب عناصر ملتے ہیں۔ ویشنومت میں آخری وقطعی منزل مقصود نارائن، یعنی مالک مطلق کے حضور میں موجود ہونا ہے۔

کیونکہ اس کے فضل وکرم کے بغیر منزل مقصود حاصل نہیں ہو سکتی، بلھے شاہ محبوب حقیقی کے فضل کی بھی بات کرتا ہے۔ اس کی کافیوں میں ہم کو مالک حقیقی کے لئے زوجہ کی سی عقیدت ملتی ہے۔ ویشنومت میں اسے 'کانتا بھگتی' کہا جاتا ہے۔ بلھے شاہ کی شاعری میں کثرت کے ساتھ ویشنوی رنگ غالب نظر آتا ہے۔ وہ 'کرشن' اور 'شام سندر' کو محبوب حقیقی مان کر ان کا ذکر کرتا ہے وہ اپنی کافیوں میں سے ایک میں کہتا ہے:

مرلی باج اُٹھی ان گھاتاں
سن کے بھل گیاں سبھے باتاں
سن سن شام سندر دیاں باتاں
بلھے شاہ میں ہُن برلائی
جدکی مرلی کاہن بجائی

باوری ہو تساں ول دھائی
کہوں جی کت دل دست براتاں

(کافی نمبر 110)

ترجمہ : محبوب کرشن اچانک مرلی بجا رہا ہے
میں اس کی مرلی اور باتیں سن کر سب سدھ بدھ بھول گیا ہوں
جب محبوب نے مرلی بجائی میں روحانی اذیت سے چلایا
میں پاگل ہو کر محبوب کی طرف دوڑا تھا
عاشق (گوپی) پوچھتی ہے کہ پیار کا تحفہ کس کے ساتھ بانٹا جا رہا ہے
دوسری کافی میں بلھے شاہ اپنے محبوب کو کاہن (کرشن) کہہ کہ مخاطب کرتا ہے
ہنسی کا ہن اچرج بجائی
ترجمہ : محبوب کرشن نے نہایت حیرت کن انداز سے مرلی بجائی ہے

سکھ دھرم کا اثر

قادری صوفی سکھ تحریک کو عزت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ سکھوں کے پانچویں گرو گرو ارجن دیو کی درخواست پر عظیم قادری صوفی میاں میر نے گولڈن ٹیمپل (سورن مندر) کا سنگ بنیاد رکھا تھا۔ بلھے شاہ خود بھی بڑے ادب واحترام کے ساتھ سکھوں کے نویں گرو، گرو تیج بہادر کو ان کی بے مثال شہادت اور دسویں گرو، گرو گوبند سنگھ کو بھی بد اطوار حکمرانوں کے خلاف، کسانوں کو فوجی طاقت میں منظم کرنے کی وجہ سے یاد کرتا ہے، وہ کہتا ہے:

کہوں تیغ بہادر غازی ہو
کہوں اپنا ، پنتھ بنایا اے

(کافی نمبر 128)

ترجمہ : کہیں تو (اے محبوب حقیقی) تیغ بہادر شہید ہو کر ظاہر ہوتا ہے اور کہیں تو نے اپنا راستہ

خود بنایا ہے۔

سکھ اور صوفی دونوں خدا کے واحد ہونے کے قائل تھے اور اپنی روحانی زندگی کی جدوجہد میں اپنے مرشدوں سے روشنی پاتے تھے۔ دونوں راگ رنگ کی محفلیں منعقد کرتے اور خدائے بزرگ و برتر کی تعریف کے نغمے گاتے تھے۔ موسیقی کی طرزوں میں راگ اور راگنیاں دونوں کو پسند تھیں۔ بلھے شاہ نے بہت سے راگوں میں اپنی کافیوں کو ترتیب دیا ہے۔

شاعری میں علامات

صوفیانہ شاعری تشبیہوں، استعاروں اور علامتوں کے اعتبار سے نہایت شاندار ہے جیسا کہ فارسی صوفیانہ شاعری میں صراحی، پیالہ جام اور پر لطف لفظی صنعت گری سے بھر پور استعارے بہت مقبول تھے ایسے ہی پنجابی صوفیانہ شاعری میں علامات کا استعمال ہے۔

شاہ حسین کی طرح بلھے شاہؒ کی شاعری میں بھی اظہار بیان کے لئے مقامی روایتی علامات (Symbols) اسی انداز میں نظر آتی ہیں۔ مثلاً چرخہ بلھے شاہ کے یہاں ''عرصہ حیات''۔ کاتنا اور تند ڈالنا راہ مستقیم اختیار کرنے اور سرمایۂ اعمال اکٹھا کرنے اور ''داج'' اعمال صالح کی علامات ہیں۔

''دنیا'' پیکا گھر (والدین کا گھر) کی علامت ہے اور محبوب حقیقی کا مسکن ''ساہورا گھر'' (سسرال کا گھر) ہے پیکا گھر میں ''ترنجن'' (چرخہ کاتنے والی سہیلیاں) احباب کی محفلیں ہیں۔ جہاں اپنی سہیلیوں کے جھرمٹ میں ان کو محبوب حقیقی کے لئے ایک بہتر تحفہ تیار کرنا ہوتا ہے۔ ان کو اپنے جسم کا چرخہ چلا کر نیکیوں کے دھاگے سے روئی تیار کرنی ہوتی ہے۔

''مکلاوا'' اور ''سسرال'' وغیرہ موت اور دوسرے جہان کے لئے علامات ہیں۔

توں ستیاں عمر ونجائی اے
توں چرخے تند نہ پائی اے

کیہ کر سیں ؟ داج تیار نہیں
اٹھ ' جاگ گھراڑے مار نہیں

(کافی نمبر 6)

ترجمہ : تم نے خواب غفلت میں ہی اپنی تمام عمر گنوا دی ہے تم نے ایک بھی اچھا عمل نہیں کیا۔ کیا کرو گے جب رخت سفر ہی تمہارے پاس نہ ہوا کیونکہ سفر بالکل تیاری پر ہے۔ اٹھو! اب غفلت سے بیدار ہو جاؤ۔ خراٹے نہ لو۔

چرخہ بنیا خاطر تیری
کھیڈن دی کر حرص تھوڑی؛
ہونا نئیں ہور وڈیری
مت کر کوئی اگیان کڑے
کر کتن ول دھیان کڑے

(کافی نمبر 87)

یہ چرخہ (انسانی جسم) تیری ہی خاطر بنا ہے اور تو کھیلنے کی طرف ذرا کم توجہ دے اب تو نے اور بڑھنا نہیں ہے یعنی اب تو جوان ہے اور بالغ نظر ہے اس کی بھی کچھ عبادت کر لے اور اس کا آج ہی موقعہ ہے کل پر اسے مت ڈال۔

اس چرخے دی قیمت بھاری
توں کیہ جانیں قدر کواری
اُچی نظر پھریں ہنکاری
وچ اپنے شان گمان کڑے
کر کتن ول دھیان کڑے

(کافی نمبر 87)

اس چرخے (انسانی جسم) کی بڑی بھاری قیمت ہے بلکہ یہ انمول ہے اور تو جاہل و گنوار ہے اس کی قدر نہیں جانتی تو بڑی مغرور بنی پھرتی ہے۔ تجھے اپنی اس شان و شوکت کا بڑا گمان ہے' اے نادان لڑکی' نیک اعمال کی طرف توجہ کر۔

نت متیں دیندی ماں دھیا
کیوں پھرنی ایں آدھیا
نی شرم حیا نہ گوا دھیا
توں کدی سمجھ ندان کڑے
کر کتن ول دھیان کڑے

(کافی نمبر 87)

ترجمہ : اے بیٹی! ماں تجھے دن رات تلقین کرتی رہتی ہے۔ ادھر آ بیٹی' یوں ہی بے مقصد کیوں گھوم رہی ہے

اے بیٹی' شرم و حیا کو گم نہ کر۔ نادان لڑکی' تو کبھی تو غور کر۔ اے لڑکی کاتنے کی طرف دھیان دے۔

میں کوکاں کر کھنیاں باہیں
نہ ہو غافل سمجھ کدائیں
ایہا چرخہ گھڑ تاں ناہیں
پھیر نہ ترکھان کڑے
کر کتن ول دھیان کڑے

(کافی نمبر 87)

میں بلند آواز سے اور چیخ چیخ کر کہہ رہی ہوں کہ غفلت کو چھوڑ۔ ایسا چرخہ (انسانی جسم) پھر کبھی نہیں بنایا جائے گا۔ پھر کوئی ترکھان اسے نہیں بنا سکے گا۔ اے لڑکی کاتنے کی طرف دھیان کر

(نیک اعمال کی طرف توجہ کر)

1۔ راج پیکا دن چار گوے
نہ کھیڈ و کھیڈ گزار گوے
نہ ہو ویہلی کر کار گوے
گھر بار نہ کر ویران گوے
کر کتن ول دھیان گوے

2۔ توں ستیاں رین گزار نہیں
مڑ آوناں دوجی وار نہیں
پھر بہناں ایس بھنڈار نہیں
وچ اکو جیڈے ہان کڑے
کر کتن ول دھیان کڑے

3۔ توں سدا نہ پیکے رہناں ایں
نہ پاس انبڑی دے بہناں ایں
بھا انت وچھوڑا سہنا ایں
وس پیں گی سس ننان کڑے
کر کتن ول دھیان کڑے

4۔ جد گھر بیگانے جاویں گی
مُڑ وت نہ اوتھوں آویں گی
اوتھے جا کے پچھوتاویں گی
کجھ اگدوں کر سیان گوے
کر کتن ول دھیان گوے

5۔ کر مان نہ حسن جوانی دا
پردیس نہ رہن سیلانی دا
کوڑی دنیا جھوٹھی فانی دا
نہ رہسی نام نشان کڑے
کر کتن ول دھیان کڑے

(کافی نمبر 87)

ترجمہ: 1۔ یہ ماں باپ کے گھر کا آرام تو صرف چار دن کی بات ہے تو اسے کھیل کود میں نہ گزار۔ بیکار مت بیٹھ کچھ کر (نیک اعمال) اس طرح تو اپنے گھر بار کو مت ویران کر۔ اے لڑکی کاتنے (نیک اعمال) کی طرف دھیان دے

2۔ تو خواب غفلت میں رات مت گزار کیونکہ تو نے اس دنیا میں دوبارہ نہیں آنا اور نہ کبھی اس محفل میں دوبارہ آ کر بیٹھنا ہے۔ پھر تجھے اپنے جیسے ساتھیوں کا قرب کبھی حاصل نہ ہو سکے گا۔ اے لڑکی! تو نیک اعمال کی طرف توجہ کر لے۔

3۔ تو نے سدا اپنے ماں باپ کے گھر میں نہیں رہنا ہے اور نہ تو ہمیشہ اپنی ماں ہی کے پاس بیٹھے گی۔ بالآخر تجھے ان سے بچھڑنا ہوگا اور تجھے ساس اور نند (منکر نکیر) سے واسطہ پڑے گا اس لئے اے لڑکی! تو نیک اعمال کی طرف توجہ کر لے۔

4۔ جب تو بیگانے گھر جائے گی اور پھر وہاں سے کبھی بھی دوبارہ واپس نہ آ سکو گی۔ اگر تو نے نیک اعمال نہ کرائے تو تجھے وہاں جا کر پچھتانا پڑے گا۔ اس سے پہلے کہ تجھے اپنے کئے پر نادم ہونا پڑے۔ نیک اعمال کما لینے چاہئیں۔

5۔ تو اپنے اس حسن اور جوانی پر اس قدر غرور مت کر کیونکہ کوئی بھی مسافر کبھی بھی دیس میں ہمیشہ نہیں رہ سکتا۔ یہ دنیا تو فانی ہے اور یہاں پر کسی کا بھی (اللہ تعالیٰ کے سوا) نام و نشان ہمیشہ باقی نہ رہے گا۔ اس لئے! اے لڑکی! تو نیک' اعمال کی طرف توجہ کر لے۔

ماں پیو تیرے گنڈیں پا ئیاں
اجے نہ تینوں سرتاں آیا
دن تھوڑے تے مکلا ئیاں
نہ آسیں پیکے وَت کڑے
کت کڑے نہ وَت کڑے
چھلی لاہ بھڑولے گھت کڑے

(کافی نمبر 81)

ترجمہ ؛ تیرے ماں باپ نے تیری شادی کا دن مقرر کردیا ہے اور تجھے ابھی تک ہوش نہیں آیا۔ تیری زندگی کے دن تھوڑے رہ گئے ہیں اور تجھے ابھی تک مکلاوے کا ہی چاؤ چڑھا ہوا ہے۔ تو نے اپنی اس دنیا میں دوبارہ کبھی واپس نہیں آنا۔ لہٰذا نیک اعمال کمالے زندگی کو بے مقصد مت گزار۔ اعمال کما کما کر اپنے اعمالنامے میں اضافہ کرلے۔

اج کل تیرا مکلاوا اے
کیوں ستی کر کر دعوی اے
ان ڈٹھیاں نال ملاوا اے
اِہ بھلکے گرم بازار نہیں
اٹھ جاگ گھراُڑے مار نہیں

(کافی نمبر 6)

ترجمہ : تمہاری رخصتی کا دن قریب ہے تم بڑے دعوے کرتے تھے اور اب غفلت کی نیند میں محو ہو گئے ہو۔ تمہیں ان دیکھوں سے ملاپ کرنا ہے یعنی بیگانوں سے تمہارا واسطہ پڑتا ہے اور کل تمہیں اس بات کی فرصت نہ مل سکے گی کچھ کرنے کا بھی موقع ہے۔

اٹھو! خواب غفلت سے بیدار ہو جاؤ۔ خراٹے نہ لو۔

بنی نوع انسان کی منزل مقصود خدا کا عرفان ہے، جس کا مسکن ہر روح کے لئے حقیقی مسکن ہے۔
چنانچہ ہر انسان کے لئے کنواری (مجرد) دوشیزہ کی علامت اس لئے استعمال کی گئی ہے کہ اس کو اپنے والدین کا گھر چھوڑ کر اپنے مالک (خدا) کے گھر جانا ہے۔ اس طرح یہ دنیا پیکا گھر (والدین کا گھر) ہے اور مختار کل کا گھر (سوہرا گھر) سسرال ہے۔ جس نے اپنے والدین کے گھر (اس دنیا) میں قیام کر کے نیک کاموں کا ایک ایسا تحفہ تیار کیا ہو جس سے وہ اپنے مالک کی نظر میں لائق سمجھی جائے گی تو اس کا اپنے مالک کے گھر میں عزت سے خیر مقدم کیا جائے گا۔ بلھے شاہؒ دنیا کے انسانوں کو ایک کنواری لڑکی (کُڑیے) کہہ کر خطاب کرتا ہے۔ کنواری کو سوت کاتنے والے جسم پر اپنا جہیز (پسندیدہ خصائل) کو تیار کرتا ہے۔ کیونکہ خدا کی درگاہ میں فضیلت اعمال کی ہے۔
ہیر اور رانجھا کی علامتیں شروع میں شاہ حسین کی کافیوں میں استعمال کی گئی تھیں۔ بلھے شاہؒ نے اس سلسلے میں ان کی تقلید کی۔ دل میں اپنے محبوب رانجھا کے ذکر کے ساتھ ہیر نے اپنے مالک حقیقی سے وصل حاصل کر لیا تھا۔ عرفان الٰہی میں ڈوب کر بلھے شاہ یہ انداز اختیار کرتا ہے۔

رانجھا رانجھا کر دی نی میں آپے رانجھا ہوئی
سدو نی مینوں دھیدو رانجھا ' ہیر نہ آکھو کوئی

ترجمہ : اپنے محبوب رانجھا کا نام جپتے جپتے میں خود رانجھا ہو گئی ہوں۔ مجھے کوئی بھی ہیر کے نام سے نہ پکارے، مجھے صرف رانجھا کے نام سے آواز دو۔

بلھے شاہؒ کے کلام میں مرشد کو کلال (مے فروش) کہا گیا ہے۔ گھڑیال بجانے والے (گھڑیالی کو بطور علامت وقت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ طالب یا سالک کو بکرا کہا گیا ہے۔

گھڑیالی دیہو نکال نی
اج ' پی گھر آیا لال نی
گھڑی گھڑی گھڑیال بجاوے
رین وصل دی پیا گھٹاوے

مرے من دی بات جے پاوے

ہتھوں چاٹے گھڑیال نی

گھڑیالی دیہو نکال نی

انحد واجا وجے سہاناں

مطرب سگھڑا تان تراناں

نماز روزہ بھل گیا دوگاناں

مدھ پیالہ دیہن کلال نی

گھڑیالی دیہو نکالی نی

اج پی گھر آیا لال نی

(کافی نمبر 104)

ترجمہ: اری (سہیلی) گھڑیالی کو (گھر سے باہر) نکال پھینکو۔ آج ساجن مجھ سے ملنے گھر آیا ہے۔ گھڑیالی تو لحہ لحہ گھڑیال بجاتا رہتا ہے۔ اور شب وصال کے دورانیئے کو کم کرتا جاتا ہے۔ گھڑیالی اگر مرے دل کی بات جان لے تو وہ گھڑیال کو خود ہی اٹھا پھینکے۔ انحد کے سہانے باجے (الٰہی نغمے) کی آواز آرہی ہے۔ اے مطرف اچھا سا راگ سنا' اچھی سی تان لگا۔ (ہمیں) روزہ اور نماز دوگانہ بھول گئے۔ مے فروش نے جام شراب عطا کردیئے ہیں۔ اری سہیلی گھڑیالی کو (گھر سے) باہر پھینکو۔ شاعر کی آرزو ہے کہ شب وصال کی صبح کبھی نہ ہو۔

بلھے شاہؒ کی آفاقیت

بلھے شاہؒ عالمی و آفاقی سطح پر اپنے آپ کو پیش کرتے ہیں ان کا مذہب صرف ایک خدا کی پوجا ہے اور وہ فرقہ بازیوں سے بہت اوپر رہنا پسند کرتے ہیں وہ صلح کل اور وسیع المشرب کی حیثیت سے سامنے آتے ہیں انہوں نے اپنے کلام میں

1۔ انسانی جذبات کو بڑے خوبصورت اور دلکش انداز میں بیان کیا ہے۔

3۔ ہجر کا احساس بہت گہرا دکھایا ہے۔

4۔ عاجزی اور انکساری کو واضح الفاظ میں بیان کیا ہے۔

5۔ رندی اور مستی انسان کی ایک خاص حالت میں ظاہر ہوتی ہے۔ بلھے شاہؒ کا کلام اس سے خالی نہیں ہے۔ انہوں نے جذب اور سرور کی حالت کو بھی قائم رکھا ہے۔

6۔ تڑپ جوش جذبہ اور ولولہ نمایاں ہے اس طرح وہ ایک زندہ شاعر ہونے کا ثبوت دیتے ہیں۔

بلھے شاہؒ اساں مرنا نہیں، گور پیا کوئی ہور

7۔ عشق الٰہی ہر قوم میں، ہر ملک میں اور ہر مذہب میں ایک بلند مقام رکھتا ہے۔ بلھے شاہؒ عشق الٰہی میں مگن رہے۔

8۔ وہ تنگ نظر ملاں نہیں تھے بلکہ انہیں ہر بندے سے پیار ہے۔

9۔ قرآنی آیات کا استعمال انہیں اسلامی دنیا میں ایک نمایاں اعلیٰ وارفع مقام پر پہنچا دیتا ہے۔

شرف انسانی کا شاعر

بلھے شاہ کا کلام، ان کو ایک انسانیت نواز شاعر کے طور پر سامنے لاتا ہے۔ یعنی ایک ایسا شاعر جو اپنے اردگرد پھیلے سماجی مسائل کا حل پیش کرتا ہے۔ وہ خود ان مسائل میں سے گزرے یا ان تجربات سے ان کا سامنا ہوا ہے۔ وہ اپنی مادر وطن (پنجاب) کے ان دکھوں سے بہت واقف ہیں جو ایک عرصہ سے درپے آزار رہے۔ ان کی شاعری ان کے روحانی سفر کا بیان بھی ہے۔ وہ تصوف کی چار منزلوں شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت کو اپنی شعری فکر میں ڈھالتے ہیں۔ پیچیدہ اور گھمبیر معاملات حیات وسماج کو بلھے شاہ نے جس آسان، سہل اور سادہ انداز مین اپنے کلام میں پیش کیا ہے یہ انہی کا خاصا ہے اور اپنے اندر زبردست اثر پذیری رکھتا ہے یہی سبب ہے

کہ لوگ ان کے کلام کو پڑھتے اور سنتے ہوئے لطف بھی اٹھاتے ہیں اور معنی آفرینی سے متاثر بھی ہوتے ہیں۔ بلھے شاہ کے کلام کو ایک عام گلی محلے بازار کے گائیک سے لے کر صوفیانہ کلام کے ماہرین تک نے ہر دور میں اپنے اپنے انداز میں گایا ہے۔ دنیا بھر میں اس انسانیت نواز شاعر کے کلام کو ایک جیسی اہمیت اور قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

بلھے شاہ کی گائیکی

بلھے شاہ کا کلام ہر سطح کے گلوکار نے انفرادی، گروہی اور جماعتی حوالے سے ہر دور میں گایا ہے۔ آغاز ہی سے قوال پارٹیوں نے بلھے شاہ کا کلام گا کر نہ صرف یہ کہ اپنی عقیدت، روٹی روزی اور پیشہ وارانہ کمال فن کو اجاگر کیا بلکہ اپنی قوالیوں کے ذریعے اسے ہر دور میں معاشرے میں مقبول اور مشہور بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ ریڈیو پاکستان اور پاکستان ٹیلی ویژن نے اس فریضے کی ادائیگی میں کما حقہ، حصہ ڈالا۔ ملک کے ممتاز گلوکاروں نے اندرون اور بیرون ملک بلھے شاہ کے کام کی ترویج اور مقبولیت بڑھانے میں کردار ادا کیا۔ راک اور فیوژن گیت گانے والوں نے جدید آرکسٹرا کے ساتھ بلھے شاہ کے کلام کو بہت گایا ہے۔ جس وجہ سے یہ کلام یورپ، امریکہ، ایشیاء (چین، جاپان) مشرقی وسطیٰ وغیرہ میں بہت مقبول رہا ہے اور اس کلام کے معنی لوگوں کی فکری رہنمائی کرتے ہیں۔ پاکستان اور بھارت کی ان گنت فلموں میں بلھے شاہ کے کلام کو شامل کر کے فلمی گیت اور فلمی سچوایشن کو رفیع الشان بنانے کا کام لیا گیا ہے۔ 1990 میں ایک پاکستانی راک بینڈ ''جنون'' نے کیہہ جاناں میں کون'' گا کر اپنے حلقہ اثر کو اپنی جانب متوجہ کیا۔ ایک پنجابی صوفی گروپ ''ودالی بندھو'' (بھارت) اپنی البم ''آ مل یار'' میں اسی کافی کو ایسے انداز میں شامل کیا ہے۔ لکھویندر ودالی نے بھی اس کافی کو اپنے سُر میں ڈھالا ہے۔ ''تھیا تھیا'' اور ''چھیا چھیا'' کو 1998 میں فلم ''دل سے'' اور رانجھا رانجھا کر دی کو فلم راون (2010) میں شامل کیا گیا۔ 2007 میں پاکستانی فلم خدا کے لئے میں بلھے شاہ کا کلام شامل کیا گیا۔ سید نور نے اپنی شہرہ آفاق فلم ''مجاجن'' میں ''تیرے عشق نے نچایا کر کے تھیا تھیا'' کو بہت عمدگی سے کمپوز (کمپوزر

ذوالفقار احمد) اور پکچرائز کیا۔ بھارت میں 2008 میں ایک اور فلم A Wednesday میں بلھے شاہ او یار میرے کو شامل کیا گیا۔ پاکستانی لوک سٹوڈیو نے بہت مقبول انداز میں کلام بلھے شاہ پیش کیا۔

بلھے شاہ کے کلام میں آفاقیت ہے سو آنے والے وقت میں یہ مزید عالمگیر شہرت پائے گا۔

فنی خوبیاں

پنجابی زبان کا عظیم شاعر سید بلھے شاہؒ ایک منفرد شاعر ہے۔ اس کے کلام میں بڑی بڑی لفظی اور معنوی خوبیاں ہیں۔ یہاں پر ہم مختصراً ان کا ذکر کرتے ہیں۔ (یہ یاد رہے کہ بلھے شاہؒ ایک پیدائشی شاعر ہیں۔ ان کی شاعری الہامی شاعری ہے۔ اس لئے کبھی کبھی قواعد کی پابندیوں سے باہر نکل جاتے ہیں)

دلالت طبعی

وہ دلالت جس میں کوئی لفظ کسی معنی پر اس وجہ سے دلالت کرے کہ طبیعت اس کو ان معنی میں استعمال کرتی ہے جیسے ''آہ آہ'' کی دلالت کسی تکلیف یا درد پر۔ دوسرے الفاظ میں اس سے مراد یہ ہے کہ اندرونی کسی حالت کو ظاہر کرنے کے لئے کچھ نہ کچھ الفاظ خود بخود منہ سے نکل پڑے جیسے دکھ کے وقت ہائے' افسوس کے وقت'' آہ'' یا حیرت کے وقت ''اف'' یا اچھی بات سن کر ''سبحان اللہ'' کہا جائے یا کسی کو بلانے کے لئے ''اوئے'' یا ''نی'' کہا جائے۔ بلھے شاہؒ کے کلام میں دلالت طبعی کی بہت مثالیں ہیں۔ مثلاً

نی مینوں لگڑا عشق اوّل دا
نی ' مری بکل دے وچ چور
دیکھونی ---- شوہ عنایت سائیں

غور کیا جائے تو لفظ ''نی'' کے استعمال سے کلام کے حسن دوبالا ہو جاتا ہے۔

تشبیھہ

تشبیہہ کے لغوی معنی مانند کردن۔یعنی دو چیزوں کو ایک جیسا بنانا۔مشابہت دینا۔علم بیان کی رو سے جب کسی ایک چیز کو کسی مشترک خصوصیت کی بناء پر کسی دوسری چیز کی مانند قرار دیا جائے تو اسے تشبیہہ کہتے ہیں۔تشبیہہ سے غرض اس پہلی چیز کو کسی صفت حالت' کیفیت کو واضح اور موثر بنا کر پیش کرنا ہوتا ہے۔اس سے فصاحت و بلاغت پیدا ہوتی ہے۔مثلاً رخسار پھول کی مانند ہے۔ یہاں رخسار کو پھول سے تشبیہہ دی گئی ہے دونوں (رخسار اور پھول) مختلف چیزیں ہیں لیکن رنگ اور ملائمت کی صفت دونوں میں موجود ہے۔

ہستی اپنی حباب کی سی ہے
یہ نمائش سراب کی سی ہے

(میرؔ)

اس شعر میں ہستی کو حباب سے تشبیہہ دی گئی ہے۔فنا پذیری کی صفت دونوں میں مابہ الاشتراک ہے۔بلھے شاہؒ کے کلام میں لاجواب تشبیہیں پائی جاتی ہیں۔بلھے شاہؒ ایک عوامی شاعر ہے اس لئے اس نے عوامی علم کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے ماحول سے ہی تشبیہہ حاصل کی ہیں۔

دکھاں سولاں کیتا ایکا

دکھوں کو سولاں (کانٹے) کی خلش سے ملا کر تکلیف کا احساس کیا جائے تو کسی تبصرے یا وضاحت کی ضرورت نہیں رہتی۔

عشق قصائی نے جھی کیتی ہرگز خبر نہ کائی
عشق چماتی لائی چھاتی پھیر نہ جھاتی پائی
ماپیاں کولوں چھپ چھپ رواں کر کر لکھ بہانے
عشق اساں نال کہی کیتی لوک مریندے طعنے

(کافی نمبر 78)

عشق کو آگ سے تشبیہ دی جاتی ہے لیکن بلھے شاہؒ نے آگ کے علاوہ عشق کو قصائی کے ساتھ تشبیہ دے کر عشق کی سخت دلی کا نقشہ کھینچ کر رکھ دیا ہے۔

ایک اور کافی میں عام فہم تشبیہات کا رنگ دیکھیں:

زُلف کنڈل نے گھیرا پایا
بشیئر ہو کے ڈنگ چلایا
دیکھا اساں ول ترس نہ آیا
کر کے خونی اکھیاں وے
دو نیناں دا تیر چلایا
میں عاجز دے سینے لایا
گھائل کر کے مکھ چھپایا
ایہہ چوریاں کنے دسیاں وے

(کافی نمبر 101)

زلف کنڈل (خمدار زلف) 'بشیئر (سانپ' زلف کو سانپ سے تشبیہ دینا) خونی اکھیاں' دو نیناں' دا تیر لاجواب تشبیہات ہیں)

برھوں کٹاری کس کے ماری
تد میں ہوئی بے دل بھاری
مڑ نہ لئی تیں سار ہماری
بتیاں تیریاں کچیاں وے
گھونگھٹ چک او سجناں
ہن شرماں کاہنوں رکھیاں وے

(کافی نمبر 101)

برہوں کٹاری' جدائی کی چھری' کا استعمال بھی لاجواب ہے۔

اکھیاں کاجل کالے بادل
بھو آسنی اگ لگاواں گی
ہور بساط نہیں کجھ میری
جوبن دھڑی گنداواں گی
ست سمندر دل دے اندر
سے سے لہر اٹھاواں گی
بدلی ہو کر چمک ڈراواں
بن بادل گھر گھر جاواں گی

استعارہ

استعارہ کے لغوی معنی مانگنا' مستعار لینا' ادھار لینا ہیں۔ اصطلاح میں استعارہ سے مراد یہ ہے کہ حقیقی اور مجازی معنی کے مابین تشبیہ کا علاقہ پیدا کرنا یعنی حقیقی معنی کا لباس عاریتاً مانگ کر مجازی معنی کو پہنانا استعارہ کہلاتا ہے۔ اس لفظ میں اپنے لغوی معنی ترک کر کے لسانی سیاق و سباق کے اعتبار سے نئے معنی اختیار کرنا ہے۔ کسی شے کے لوازمات کو کسی اور شے سے منسوب کر دیں۔ مثلاً بہادر شخص کو شیر کہہ دیں۔ دلیری اور شجاعت شیر کا خاصا ہے۔ اس کے لوازمات انسان سے منسوب کر دیئے گئے۔

استعارہ اسے کہتے ہیں کہ مشبّہ کو متروک کریں اور مشبہ بہ کو ذکر کر کے اس سے مشبہ کا ارادہ کریں مثلاً سانپ یا سنبل کو ذکر کر کے اس سے زلف معشوق مراد لیں مثلاً

اے خالِ رخِ یار تجھے خوب بناتا
جا چھوڑ دیا حافظِ قرآن سمجھ کر

یہاں قرآن سے مراد رخِ یار ہے۔

بلھے شاہؒ کے کلام میں استعارے کا استعمال بہت زیادہ ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ ان کا زیادہ تر کلام استعارے میں ہے تو یہ جھوٹ نہیں ہوگا۔ وہ کمال کلاکار ہیں اور استعارہ سے بہت کام لیا ہے۔ انہوں نے اپنے اردگرد کے ماحول سے محبوب (مجازی حسن) کے سراپے کو مکمل طور پر استعارہ بالکنایہ بنا دیا ہے۔ مثلاً

پھلاں پھل چنبیلی لالہ
سوسن سنبل سرو نرالا
باد خزاں کیتا بُرحالا
نرگس نت خمار نہیں
اٹھ جاگ گھراڑے مار نہیں
ایہہ سون تیرے درکار نہیں

ایک اور مثال دیکھیں:

رانجھا رانجھا کردی نی میں آپے رانجھا ہوئی

یہاں رانجھا محبوب حقیقی یعنی ذات باری تعالے کا استعارہ ہے۔ ایک اور مثال دیکھیں۔

مرلی باج اٹھی ان گھاتاں
سن کے بھل گیاں سب باتاں

مرلی بدن انسانی کا استعارہ بالتصریح ہے اور اس کی آواز روح کا استعارہ بالکنایہ ہے۔
حضرت مولانا رومؒ نے بھی یہی استعارہ استعمال کیا ہے

بشنو از نے چوں حکایت می کند
وز جدائیہا شکایت می کند

استعارہ مرشد

اس میں صرف مستعار منہ (یعنی جس چیز سے لفظ مستعار لیا جائے) کی صفات اور مناسبات

مذکور ہوتے ہیں۔ مثلاً

دکھلایئے جا کر تو تجھے مصر کا بازار
پرواں کوئی خواہاں نہیں اس جنس گراں کا

(بازار اور گراں مستعار منہ یعنی جنس سے مناسبت رکھتے ہیں) کبھی تجرید و ترشیح دونوں کو ایک استعارہ میں جمع کر دیتے ہیں اور اسے استعارہ مرشح کہتے ہیں۔ بلھے شاہؒ کی بہت سی کافیاں اس صنف سے بھرپور ہیں۔ مثلاً

نہ نکلا راس کراویں توں
نہ بائٹر مالھ پواویں توں
کیوں گھڑی مڑی چرخہ چاویں توں
توں کرنی اس اپنا زیان کڑے
کرکتن ول دھیان کڑے

بات تو ساری کتن یعنی نیک عمل کی ہو رہی تھی۔ بدن کو چرخے سے تشبیہ دے کر چرخے کے لوازمات کو بیان کیا گیا ہے۔ اس سے استعارہ مرشحہ کی پیاری مثال بن گئی ہے۔

تلمیح

کسی مشہور واقعہ کی طرف یا کسی ایسی چیز کی طرف جو کتب متداولہ میں مذکور ہو اشارہ کرنا۔
بلھے شاہؒ کے کلام میں تلمیحات کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ جس طرح کہ

صابر دے تن کیڑے پائیو

اس مصرعے میں حضرت ایوب علیہ السلام کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ کریم نے حضرت ایوبؑ کے بدن مبارک میں کیڑے ڈال کران کے صبر کا امتحان لیا تھا۔ حضرت ایوبؑ اس امتحان میں پورے اترے تھے۔

کتے الٹا پوش لہائی دا

اس مصرعہ میں حضرت شمس تبریزی کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ اونہوں نے عشق الٰہی کا دعویٰ کیا تو اہل شریعت نے ان کی الٹی کھال اتار دی تھی۔

بلھے شاہؒ اپنی کافی ''ایس نیہوں دی الٹی چال'' میں خدا کے مشہور عشاق کا ذکر کرتا ہے جنہیں راہ عشق میں کئی مصیبتیں جھیلنی پڑیں۔ حضرت ایوبؑ (صابر) کے جسم میں کیڑے پڑ گئے حضرت زکریاؑ کا سر آرے سے کاٹا گیا جو اس کے عشق الٰہی کی قیمت تھی حضرت یحییٰؑ کے سر کو خنجر سے علیحدہ کیا گیا۔ منصور کو سولی پر چڑھا دیا گیا۔ حضرت سلیمانؑ جن کا حکم جن اور پریوں پر بھی جاتا تھا' اس کی طلسمی طاقت والی انگوٹھی گم کرائی گئی۔ اس کو تنور میں لکڑیاں ڈالنے کا پیشہ اختیار کرنا پڑا۔ یہ تمام اذیتیں اسے خدا کے عشق کی وجہ سے اٹھانی پڑیں۔

کافی کے آخری بند میں بلھے شاہؒ کہتا ہے کہ مندرجہ بالا عظیم عاشقوں کے دکھوں کی داد کے مدنظر انسان کی بہتری اسی بات میں ہے کہ وہ اپنا منہ بند رکھے اور کسی قسم کی شیخی نہ بھگارے۔

ایس نیہوں دی الٹی چال

صابر نے جدیئوں لگایا
دیکھ پیا نے کیہ دکھلایا
رگ رگ اندر کرم چلایا
زورا ور دی گل محال

ایس نیہوں دی الٹی چال

زکریاؑ نیں جد پایا قہارا
جس دم وجیا عشق نقارا
دھریا سر تے تکھا آرا
کیتا ایڈ زوال

ایس نیہوں دی الٹی چال

جدوں یحیٰ نے پائی جھاتی
رمز عشق دی لائی کاتی
جلوہ دتا اپنا ذاتی
تن خنجر کیتا لال

ایس نیہوں دی الٹی چال

آپ اشارہ اکھ دا کیتا
تاں مدھوا منصور نے پیتا
سولی چڑھ کے درشن لیتا
ہویا عشق کمال

ایس نیہوں دی الٹی چال

سلیمان نوں عشق جو آیا
مندرا ہتھوں چا گوایا
تخت نہ پریاں دا پھر آیا
بھٹھ جھوکے پیا بے حال

ایس نیہوں دی الٹی چال

بلھے شاہؒ ہن چپ چنگیری
نہ کر ایتھے اڈ دلیری
گل نہ بن دی تیری میری
چھڈ دے سارے وہم خیال

ایس نیہوں دی الٹی چال،

(کافی نمبر20)

بلھے شاہؒ اپنی کافی "رہو رہو اوئے عشقا ماریائی" میں شکوہ کے پیرائے میں خدا پر الزام لگاتا ہے کہ وہ اپنے عاشقوں کے ساتھ سنگدلی سے پیش آتا ہے۔ اس کافی میں ان عاشقوں کی ایک طویل فہرست دی گئی ہے جنہوں نے عشق کے لئے بھاری قیمت ادا کی تھی ان میں سے بہتوں کو اپنی جان تک بھی دینی پڑی۔ جب بھی کوئی عاشق راہ عشق سے بھٹکا تو اس کی ذمہ داری بھی خدا پر عائد کی گئی مثلاً اس نے حضرت آدمؑ کو گندم چکھنے سے منع کیا اور خود ہی شیطان کو آدمؑ کے بہکانے کے لئے بھیج دیا۔

جو دیگر ہستیاں اس فہرست میں شامل ہیں ان کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

حضرت عیسیٰؑ، حضرت نوحؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت اسمٰعیلؑ، حضرت یونسؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت سلیمانؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت ایوب صابرؑ، منصور، راہب، حضرت زکریاؑ، سرمدؒ، شمس اور شاہ شریف

روایتی عاشقوں میں لیلےٰ مجنوں، ہیر رانجھا، مرزا صاحباں، سسی پنوں کے نام لئے گئے ہیں مہا بھارت اور رامائن کے برگزیدہ کرداروں (کورو، پانڈو) کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ ان مغرور بادشاہوں میں سے جو اپنے تکبر کے باعث خدا ہونے کا دعویٰ کرتے تھے، نمرود، فرعون، ہرناکش کے نام قابل ذکر ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے اپنے پیاروں کے ساتھ ساتھ باغیوں کو بھی اذیتیں دیں۔

رہو رہو اوئے، عشقا ماریائی، کہو کس نوں پار اتاریاں ای
آدمؑ کنکوں منع کرایا، آپے مگر شیطان دوڑایا
کڈھ بہشتوں زمین رلایا، کیڈ پیار پیاریا ای

عیسیٰؑ نوں بن باپ جمایا، نوحے پر طوفان منگایا
نال پیو دے پتر لڑایا، ڈوب اوہناں نوں ماریا ای
موسیٰؑ نوں کوہ طور چڑھائیو، اسمٰعیلؑ نوں ذبح کرائیو

یونس مچھی توں نگلائیو، کیہہ اوہناں رتبے چاڑھیا ای

خواب زلیخا نوں دکھلائیو، یوسف کھوہ دے وچ پوائیو
بھائیاں نوں الزام دوائیو، تاں مراتب چاڑھیا ای

بھٹھ سلیمان توں جھکائیو، ابراہیمؑ چخا وچ پائیو
صابر دے تن کیڑے پائیو، حسنؓ زہر دے ماریا ای

منصور نوں چا سولی دتا، راہب دا کڈھوایا پتا
زکریا سر کلوتر کیتا، پھیر اوہی کم کی ساریا ای

شاہ سرمد دا گلا کٹائیو، شمس نے جاں سخت آلائیو
قم باذنی آپ کہائیو، سر پیروں کھل اتاریا ای

ایس عشق دے بڑے اڈمبر، عشق نہ چھپدا باہر اندر
عشق کیتا شاہ شرف قلندر، باراں ور ہے دریا وچ ٹھاریا ای
عشق لیلے دے دھماں پائیاں، تاں مجنوں نے اکھیاں لائیاں
اوہنوں دھاراں عشق چنگھایاں، کھو ہے برس گزاریاں ای

عشق ہوری ہیر دل دھائے، تائیں رانجھے کن پڑوائے
صاحباں نوں جدویاہن آئے، سر مرزے دا ماریا ای

سستی تھلاں دے وچ رلائی، سوہنی کچے گھڑے روڑ وہائی
روڑے پچھے گل گوائی، ٹکڑے کر کر ماریا ای
فوجاں قتل کرائیاں بھائیاں، مشکاں چوہیاں توں کٹوائیاں
ڈٹھی قدرت تیری سائیاں، سر تیغھوں بلہاریا ای

کورو پانڈو کرن لڑائیاں' اٹھاراں کھوہنیاں تدوں کھپائیاں
مارن بھرئی سکیاں بھائیاں' کیہہ اوتھے نیاں نتاریا ای

نمرود نے بھی خدا سدایا' اس نے رب نوں تیر چلایا
مچھر توں نمرود مروایا ' قاروں زمیں نگھاریا ای

فرعون نے جدوں خدا کہایا ' نیل ندی دے وچ آیا
اوسے نال اشتنڈ جگایا ' خودئیوں کر تد ماریا ای

لنکا چڑھ کے ناد بجائیو ' لنکا رام کولوں لٹوائیو
ہر ناکش قطعہ بہشت بنائیو' اوہ وچ دروازے ماریا ای

سیتا دیہر لتی بے چاری ' تد ہنومن نے لنکا ساڑی
راون دی سب ڈھاہ اتاری ' اوڑک راون ماریا ای
گوپیاں نال کیہہ چج کمایا ' مکھن کاہن توں لٹوایا
راجے کنس نوں پکڑ منگایا ' بودیوں پکڑ پچھاڑیا ای
آپے چا امام بنایا ' اس دے نال یزید لڑایا
چودھیں طبقیں شور مچایا ' سر نیزے تے چاڑھیا ای

مغلاں :ہر پیالے پیتے ' بھوریاں والے راجے کیتے
سب اشراف پھرن چپ کیتے بھلا اوہنا نوں جھاڑیا ای

بلھا شاہ فقیر وچارا ' کرکر چلیا کوچ نگارا
روشن جگ وچ نام ہمارا ' نوروں سرج اتاریا ای
رہ رہ عشقا ماریا ای
کہو کس نوں پار اتاریا ای

(کافی نمبر 65)

ایک اور کافی ''کیوں عشق اَساں تے آیا اے'' میں خدا کے عاشقوں پر ظلم و ستم کا بیان ہے
ں میں حضرت ابراہیمؑ، حضرت زکریاؑ، حضرت یوسفؑ، شیخ صنعانؒ، شاہ شمس تبریزؒ، اور
نصور کا ذکر کیا گیا ہے۔ آخر پر وہ پوچھتے ہیں کہ کیا اب میری باری ہے؟ (کرہتھ ہن میں دل
ھایا اے)

آخری بند میں عاشق کو مشورہ دیا گیا ہے کہ وہ اپنا جسم ایک بھٹی کی طرح بنالے، اور من کو
ہرن کرلے، جس کے اوپر عشق کے ہتھوڑے کی ضرب لگانے سے معشوق کا دل پگھل جائے۔

کیوں عشق اساں تے آیا اے
توں آیاں ہے میں پایا اے

ابراہیم چا چخا سٹائیو، زکریے سر کلوتر دھرائیو
یوسف ہتو ہٹ وکائیو، کہو ساتوں کیہہ لیایا اے

شیخ صنعانوں خوک چرائیو، شمس دی کھل الٹ لہائیو
سولی تے منصور چڑھائیو کرہتھ ہن میں دل دھایا اے

جس گھر وچ تیرا پھیر ہویا، سو جل بل کوئلہ ڈھیر ہویا
جد راکھ اڈی تدبیر ہویا، کہو کس گل دا سدھرایا اے

بلھا شاہ دے کارن کریئے، تن بھٹھی من اہرن کریئے
پریم ہتھوڑا مارن کریئے، دل لوہا اگ پکایا اے

کیوں عشق اساں تے آیا اے
توں آیاں اے میں پایا اے

(کافی نمبر 92)

صنعت مراعاۃ النظیر

کلام میں ایسی اشیاء کا ذکر نا جن میں تضاد یا تقابل کے سوا کوئی اور نسبت نہ ہو۔ یا کلام میں ایک چیز کے لوازمات اور مناسبات کو جمع کر دیا جائے۔ بلھے شاہؒ کے کلام میں اس کی کئی مثالیں موجود ہیں: مثلاً ہیر کی شادی کا ذکر کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

تیل وٹنا کندھے ملیا ' چویا چنن متھے رلیا
ماہی میرا بیلے وڑیا ' میں کیہ کرنی کنگن باہی

تیل، وٹنا، چویا، کنگن یہ تمام منگنی اور بیاہ کے مناسبات ہیں علاوہ ازیں چرخے کے مناسبات کی کئی مثالیں دی جاسکتی ہیں۔

صنعت حسن التعلیل

کسی صفت کے ثبوت کے لیے ایسی ایسی چیز کو علت ٹھہرانا جو درحقیقت علت نہ ہو لیکن شاعر ایسے انداز میں پیش کرے کہ حقیقت معلوم ہو۔

مثلاً

پھلاں	پھل	چنبیلی	لالہ
سوسن	سنبل	سرو	نرالا
باد	خزاں	کیتا	برحالا
نرگس	نت	خمار	نہیں

نرگس پر خمار نہیں آتا لیکن اس کے بہار پر جوبن کو خمار یا غرور حسن کو زندگی کا انت (آخر) قرار دے کر باغ کی خزاں کو علت تسلیم کیا گیا ہے۔

صنعت تجاہل عارفانہ

لغوی معنی "جان بوجھ کر انجان بننا" یعنی ایک چیز کو جاننے کے باوجود کسی نکتہ کے لئے اس سے

علمی ظاہر کرنا۔

بلھے شاہؒ اکثر اپنے کلام میں انجان بن کر کئی قسم کے سوالات پیدا کرتے ہیں ان سوالات کو دیکھ کر ہم سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں مثلاً ان کی وہ کافی دیکھئے جس میں وہ بار بار یہ مصرعہ کہتے ہیں:

بلھا کیہ جاناں میں کون؟

ساری کافی میں وہ خود ہی حقیقت سے مجاز کا پردہ اٹھاتے جاتے ہیں اور ساتھ یہ بھی کہتے جاتے ہیں کہ:

بلھا کیہ جاناں میں کون؟

ایک اور کافی میں فرماتے ہیں:

کیہ جاناں میں کوئی
وے اڑیا! کیہ جاناں میں کوئی

پھر یہ سوچتے ہوئے کہ شاید کوئی اس تجاہل عارفانہ کو جہالت تک نہ پہنچا دے، خود ہی جواب دیتے ہیں:

جو کوئی اندر بولے چالے ذات اساڈی سوئی
جس دے نال میں نیہوں لگایا اوہو جیہی ہوئی

تکرار لفظی

جب ایک ہی لفظ کو بار بار کلام میں استعمال کیا جائے تو تکرار لفظی کہا جاتا ہے۔

مثلاً ماہی کرم کریندی یار
ماہی جوڑا، ماہی گھوڑا
ماہی دا اسوار
ماہی ماہی نوں دوڑائے
ماہی دا کھڑکار
ماہی کرم کریندی یار

صنعت ذوقافتین

علم بدیع میں ذوقافتین ایسے شعر کو کہا جاتا ہے جس میں ''دوقافیئے لائے جاتے ہیں۔

لکھنؤ کی اردو شاعری میں اس کی بے شمار مثالیں ہیں: پنجابی شعراء میں سید فضل شاہ نواں کوٹی اور استاد ہمدم اس صنف میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ سید بلھے شاہؒ کے کلام میں لفظی اور معنوی خوبیاں ضرور پائی جاتی ہیں لیکن کہیں کہیں کلام میں خوبصورتی پیدا کرنے کے لئے وہ یہ صنف بھی استعمال کر جاتے ہیں۔ مثلاً

بھکھے نال نہیں ہم رجے
ننگے نال نہیں ہم کجے
روندے نال نہیں ہم ہسدے
اجڑے نال نہیں ہم وسدے

تجنیس مستوفی

صنائع لفظی میں تجنیس سے مراد کلام میں دو یا زیادہ الفاظ ایسے لانا جو تلفظ یا تحریر میں مشابہہ ہوں اور معنی میں مختلف جس طرح کہ، بَل، کُل، گَل، گل جب ایک اسم ہو اور دوسرا فعل تو اسے تجنیس مستوفی کہتے ہیں تجنیس مستوفی کی مثال بلھے شاہؒ کے اس بند میں دیکھئے۔

کئی حاجی بن بن آئے جی
گل نیلے جامے پائے جی
حج ویچ کے ٹکے کھائے جی
بھلا ایہہ گل کینوں بھائے جی

دوسرے مصرعے میں گل کے معنی گردن اور چوتھے مصرعے میں گل کے معنی بات ہے۔

کبھی کبھی کسی ایک لفظ میں ایک یا دو حروف کو لفظ کے آگے پیچھے لگا کر ایک نیا لفظ بنا لیا جاتا

ہے۔مثلاً

ہن ہویا شکل جلاداں دی

اگے پینڈا مشکل بھارا اے

پہلے مصرعے کے لفظ "شکل" سے پہلے "م" بڑھا کر دوسرے مصرعے میں "مشکل" بنا دیا گیا ہے۔

صنعت سیاق الاعداد

اعداد کے بالترتیب یا بلاترتیب کلام میں ذکر کرنا۔مثلاً بلھے شاہؒ فرماتے ہیں :

اک الفوں دو تن چار ہوئے

پھر لکھ کروڑ ہزار ہوئے

پھر اوتھوں بے شمار ہوئے

ہک الف دا نکتہ نیارا ہے

قصہ مختصر پنجابی کا عظیم شاعر سید بلھے شاہؒ ایک منفرد شاعر ہے ان کے کلام میں بڑے بڑے لفظی اور معنی گن موجود ہیں ان کے کلام میں اسرار و رموز کی ایک پوری کائنات بس رہی ہے۔

جاندار بے ساختہ ٹیپ کے مصرعے

بلھے شاہؒ کی کافیوں میں ٹیپ کے مصرعے اتنے جاندار، برمحل، بے تکلف، فطری اور بے ساختہ ہوتے ہیں کہ ان کی مثال شاید ہی کسی اور شاعر کے یہاں مل سکے :

1۔ منہ آئی بات نہ رہندی اے

2۔ الٹے ہور زمانے آئے

3۔ سانوں آمل یار پیاریا

4۔ چپ کر کے کریں گزارے نوں

5۔ ڈر لگدا بے پرواہی دا

6۔ اک بات اساں نال ہس کر جی

7۔ ہک الف پڑھو چھٹکارا اے

8۔ ملاں مینوں ماردا ای

9۔ ہن میں ہو گئی نی کجھ ہور

10۔ نچھویاں تے تکواراں کولوں عشق دے تکھے تیر

11۔ ہر ہر وچ صورت رب دی اے

12۔ اتھے دنیا وچ ہنیرا اے

13۔ اس صورت دا چمکارا ہے

14۔ بھلا ہویا میرا چرخہ ٹٹا' جند عذابوں چھٹی

15۔ چڑیاں موت گنواراں ہاسا

16۔ بلھے شاہؒ دا عشق بگھیلا 'رت پیندا' گوشت چر دا

17۔ علموں بس کریں او یار' اکو الف تیرے درکار

18۔ کس نوں کراں پکار' کسے نہیں رہنا

1۔ انیس ناگی: بلھے شاہ، جمالیات لاہور۔ 2009ء، ص 47

سید بلھے شاہؒ کی تصانیف

سید بلھے شاہؒ کے مکمل علمی وادبی کاموں کا کوئی مخطوطہ دستیاب نہیں ہو سکا۔اب تک ان کا کلام جو سامنے آیا ہے' اس سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے کم وبیش ان تمام اصناف شعر میں لکھا جو اس سے ماقبل کے پنجابی اور ہندی شاعری میں مروج تھیں بلھے شاہؒ کے کلام کی تعداد اور مختلف اصناف سخن کا جائزہ لینے کے لئے ''کلیات بلھے شاہؒ'' مرتبہ فقیر محمد فقیر میں مندرجات کی سرسری تفصیل معلومات میں اضافے کا موجب بنتی ہے۔

نام صنف	تعداد
کافیاں	156
سی حرفیاں	3
گنڈھاں	40
باراں ماہ	1
اٹھوارہ	1
دوہڑے	49

انہوں نے ایک سے زیادہ اصناف شعر میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے' یہ اصناف سخن خالصتاً مقامی صوفی شعری روایت سے منسلک ہے۔

1۔ بلھے شاہؒ کا قدیم ترین مطبوعہ نسخہ جو ملک ہیرا نے ''کافیاں حضرت بلھے شاہؒ'' کے نام سے لاہور سے 1882 میں شائع کیا' املا اور انشا کی اغلاط سے پر ہے،اس کتاب میں موئف

کے مطابق کافیوں کی تعداد 39 ہے لیکن کتاب میں 47 کافیاں تھیں کچھ کافیاں شاہ حسین کی بھی اس میں شامل ہیں۔

2۔ کافیاں' بلھے شاہؒ ۔ سن طباعت 1300ھ (1883ء) ناشر: میاں چراغ دین تاجر کتب لاہور بوساطت وکٹوریہ پریس لاہور اس کتاب میں کافیوں کی تعداد 30 ہے۔

3۔ انور علی روہتکی نے "قانون عشق" کے نام سے 1889ء میں لاہور سے بلھے شاہ کی کافیاں شائع کیں۔ اس مجموعے میں کافیوں کی تعداد 116 ہے۔ لیکن دوہڑے' اٹھوارہ' باراں ماہ' گنڈھاں اور سی حرفیاں اس میں موجود نہیں۔

4۔ منشی دیوان چند نے گوجرانوالہ سے "گنجینہ معرفت" کے نام سے بلھے شاہؒ کا کلام شائع کیا۔ سن طباعت درج نہیں لیکن یہ دیکھتے ہوئے کہ پنجاب پبلک لائبریری کے ایکسین رجسٹر کے مطابق یہ کتاب 1886ء میں خریدی گئی تھی ہوسکتا ہے کہ یہ ملک ہیرا کی کتاب سے بھی پرانی ہو۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ اس سے کچھ دیر بعد چھپی ہوگی۔

5۔ بھائی پریم سنگھ زرگر قصوری نے 1896ء میں" کافیہائے حضرت بلھے شاہ قصوری "سیوک مشین پریس لاہور سے شائع کی وہ اس کا تعارف کراتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:"

"مجھ کو مدت مدید سے یہ شوق دامنگیر تھا کہ کافیہائے بلھے شاہؒ صاحب جو کہ بسبب آپ کے اُمّی ہونے کے یکجا نہ تھیں بلکہ قوالوں کو سینہ بسینہ یاد تھیں' جن کا حاصل کرنا بہت دشوار امر اور نہایت محنت کا کام تھا۔ چنانچہ کئی سال کی مدت سے اس محنت شاقہ کو گوارا کر کے جہاں جہاں وہ اشخاص جن' کو کافیاں یاد تھیں' بہت دقت اور صرف زر کثیر سے نقل کرا کر یہ ایک نسخہ تیار کیا۔"

اس مجموعے میں 130 کافیوں کے علاوہ تین سی حرفیاں' ایک اٹھوارہ' ایک بارہ ماہہ اور 40 گنڈھیاں شامل ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بلھے شاہؒ کے کلام کا یہ مجموعہ مختلف ذرائع سے یکجا کیا گیا ہے۔ لیکن بلھے شاہؒ کی تعلیم کے بارے میں پریم سنگھ کا بیان صحیح نہیں کیونکہ وہ حافظ غلام مرتضٰی قصوری کے شاگرد اور شاہ عنایت قادریؒ کے مرید ہونے کی وجہ سے عربی اور فارسی سے اچھی

طرح واقف تھے۔ وہ خود بھی کافیوں کو فارسی انداز میں تحریر کر سکتے تھے۔ یہ بھی عین ممکن ہے کہ صوفی شاعر نے اپنے کلام کو اپنے قلم سے تحریر کیا ہو جو پنجاب کی ابتر صورتحال کے سبب ضائع ہو گیا ہو۔ پریم سنگھ کے جمع کردہ تمام مواد کو بلھے شاہؒ سے منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ فقیر محمد فقیر نے ''کلیات بلھے شاہؒ'' میں بلھے شاہ کی زبان اور اسلوب کے پیش نظر پریم سنگھ کے مذکورہ مجموعہ کا کچھ حصہ مشکوک قرار دیا ہے۔

6۔ ''کافیاں بلھے شاہؒ'' (1925ء۔1901ء)۔ ناشر چراغ دین' سراج دین کشمیری بازار لاہور۔ یہ 38 کافیوں پر مشتمل ہے۔

7۔ ''کافیاں بلھے شاہؒ'' (بغیر تاریخ)۔ ناشر حافظ محمد دین کشمیری بازار لاہور۔ اس 39 کافیاں ہیں۔

8۔ ''کافیاں میاں بلھے شاہؒ سن طباعت 1908ء ناشر شیخ محمد بخش' عطا محمد تاجران کتب کشمیر بازار لاہور۔ کافیوں کی تعداد ناشر کی گنتی کے مطابق 39 ہے لیکن بعض کافیوں پر نمبر کی بجائے ''ایضاً'' کا ں لکھا گیا ہے کہیں سی حرفی پر کافی لکھا گیا ہے۔

9۔ ''کافیاں عاشق بلھے شاہ'' (بغیر تاریخ) ناشر سنت دیدار سنگھ عارف ڈھڈیال تحصیل چکوال شائع کردہ ہمدرد سٹم پریس راولپنڈی اس میں کافیاں اور دوہڑے ہیں جن کی تعداد 63 ہے۔

10۔ ''کلام بلھے شاہؒ'' (بغیر تاریخ) ناشر: شیخ محمد اشرف' نوازش علی تاجران کتب قصور اس میں 101 کافیاں' 3 سی حرفیاں' اٹھوارہ' باراں ماہ اور 45 دوہڑے شامل ہیں۔

11۔ ڈاکٹر موہن سنگھ نے 1930ء میں بلھے شاہؒ کی پچاس کافیاں' تعارف' حواشی' سوانح اور اشاریہ وغیرہ کے ساتھ شائع کی تھیں۔ اس میں ماخذ کے طور پر پریم سنگھ زرگر کے مذکورہ بالا مجموعہ کا انتخاب بھی شامل ہے۔ دوسرے ماخذ رائے صاحب' منشی گلاب سنگھ اینڈ سنز کے 1900ء اور 1904ء کی شائع شدہ شبد شلوک بھگتاں دے' سے ہیں مزید ذرائع جن کا اس میں

حوالہ دیا گیا ہے پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے مخطوطات نمبر 8 ' نمبر 374 ' اور 16 مخطوطہ نمبر 14684 اور باقی 19 شبد شلوک بھگتاں دے ' سے لئے ہیں آخری 19 کافیاں پریم سنگھ کے مجموعے یا مولوی انور علی روہتکی کے مرتبہ نسخے سے ہیں۔

12۔ '' کافیاں سائیں بلھے شاہؒ '' از سندر سنگھ نرولہ کو بھائی پرتاپ سنگھ' سندر سنگھ بازار مائی سواں امرتسر نے 32-1931 میں (گورمکھی میں) شائع کیا۔ اس میں 116 کافیاں شامل ہیں دوسرے ایڈیشن میں ایک باراں ماہ اور اٹھوارہ شامل ہے۔

13۔ کلیات بلھے شاہ از ڈاکٹر فقیر محمد فقیر کو پنجابی ادبی اکیڈیمی لاہور نے 1960ء میں شائع کیا اس میں (1+156) کافیاں' ایک اٹھوارہ' ایک بارہ ماہا' 49 دوہڑے' 3 سی حرفیاں اور 40 گنڈھاں موجود ہیں۔

ان کے بعد آنے والے مرتبین نے انہیں کتب سے استفادہ کیا ہے۔ ڈاکٹر سید نذیر احمد نے '' کلام بلھے شاہؒ '' کو تحقیقی انداز میں مرتب کیا جس کو پیکجز لمیٹڈ لاہور نے 1976ء میں انتہائی جاذب نظر انداز میں شائع کیا۔ محمد آصف خاں کا مرتبہ '' آکھیا بلھے شاہؒ نے '' نے پاکستان ادبی بورڈ لاہور نے 1992ء میں بہت دلکش اور دیدہ زیب انداز میں شائع کیا ہے۔ محمد شریف صابر نے '' بلھے شاہؒ '' مکمل کافیاں بھی شائع کی ہیں۔

بلھے شاہؒ کے کلام کا کوئی مصدقہ متن دستیاب نہیں ہے۔ بلھے شاہؒ کا زمانہ پنجاب میں بڑی بد امنی کا زمانہ تھا۔ ممکن ہے کہ ان کا مدون کلام اس زمانے کی شورشوں میں گم ہو گیا ہو۔ بلھے شاہؒ کے کچھ مجموعوں کے شائع ہو جانے کے بعد ایسا لگتا ہے کہ ابھی تک ان کا سارا کلام قوالوں اور دیگر ذرائع سے حاصل کر کے محفوظ نہیں کیا گیا۔ مثلاً یہ دوہڑا: '' گل سمجھ لئی تے رولا کیہ ایہہ رام رحیم تے مولا کیہ '' کسی مجموعہ کلام میں شامل نہیں۔ آپ کے بعض اشعار زبان زد خلائق ہیں جو زیور طبع سے آراستہ نہیں ہو سکے۔ مثلاً

ٹھاکر نالوں ٹھیکر چنگا جس وچ پانی پیوے کتا
بلھے نالوں ککڑ چنگا جیہڑا لوگ جگاوے ستا

حیدر آباد سندھ کے ریڈیو سے کچھ بیت بلھے شاہؒ کے نام سے نشر ہوتے رہتے ہیں لیکن وہ کسی کتاب میں نہیں ملتے۔ بلھے شاہؒ کے کلام کے ساتھ ایک یہ بھی ناانصافی ہوئی ہے کہ بہت سا الحاقی کلام ان سے منسوب کیا جاتا رہا ہے۔

اصناف شاعری

یہاں بلھے شاہؒ کی اصناف شاعری کا ایک مختصر سا ذکر بے محل نہ ہوگا۔ انہوں نے کافیاں' سی حرفیاں' دوہڑے باراں ماہے' اٹھوارے اور گنڈھاں لکھے ہیں۔

1. کافی

پنجابی صوفیانہ شاعری کی ایک مقبول اور بے مثل صنف ہے اس کی کوئی خاص ہیت تو نہیں ہے تاہم اس میں ردیف اور قافیے کا استعمال کیا جاتا ہے۔ اس میں ٹیپ کا مصرع بار بار آتا ہے جسے استھائی (پنجاب میں ''رہاؤ'') کہتے ہیں۔ استھائی حاصل کافی ہوتا ہے۔ اس میں مصرعوں کی تعداد متعین نہیں ہوتی اور نہ ہی اس کی کوئی مخصوص بحر ہے۔
کافی تین تین چار مصرعوں کے بندوں پر مشتمل ہوتی ہے' جس میں ٹیپ کا مصرع بار بار آتا ہے۔ یہ گانے کے لئے لکھی جاتی ہے اور عارفانہ شاعری کے لئے مخصوص ہے۔ یہ پنجابی زبان کی وہ محبوب صنف ہے جو اس زباں میں وحدت تاثر اور وحدت موضوع کی واحد مثال ہے کافی کا نام عموماً مسلمان صوفیاء کے کلام کو دیا جاتا ہے۔ غیر مسلموں کا متوازی کلام شبد یا اشلوک کہلاتا ہے۔
بعض علماء کا خیال ہے کہ کافی' قافیہ بمعنی نظم کی ایک بگڑی ہوئی شکل ہے لیکن یہ موزوں نہیں معلوم ہوتا۔ کیونکہ قافیہ بہت سی اقسام شاعری میں استعمال ہوتا ہے کچھ کے لئے اس کے معنی متعدد بار اشعار کی تکرار ہوتی ہے۔ جب کہ کافی کا انترہ قوالی کے انداز میں بار بار دہرایا جاتا ہے۔
معنوی لحاظ سے ''کافی'' ایک مکمل خیال' ایک ایسا کلام جو اپنی معنویت کے اعتبار سے کافی ہو' کافی کے پانچ سات مصرعے کسی مضمون (وہ صوفیانہ' عاشقانہ' یا ناصحانہ جو بھی ہو) کی کفایت

کرتے ہوں ان میں جتنا کچھ کہہ دیا گیا ہو' وہ مضمون کے لیے اور سننے کے لیے کافی ہو۔کافی احساس و بندش کی ایسی اکائی ہے جو خالص عارفانہ و روحانی نظم یا شاعری ہے اس میں ٹیپ کافی کے بارے میں کچھ اور خیال کے حامل لوگ بھی ملتے ہیں جن کا یہ خیال ہے کہ کافی قدیم ہندی راگوں سے نکلی ہے اور یہ ایک راگنی ہے۔

(بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس راگ کے موجد امیر خسرو تھے) موسیقی کے تمام ٹھاٹھوں میں کافی ٹھاٹھ سب سے زیادہ وسیع ہے اور اس کے دائرے میں آنے والا راگ اور اس کی ضمنی دھنیں ہمیشہ سے عوام کی پسندیدہ طرزیں رہی ہیں۔صوفیاء کرام کو جب عوام سے کچھ کہنا ہوتا تھا تو اپنے کلام کے لیے سب سے زیادہ من پسند راگ (یعنی کافی) چن لیتے ہوں گے۔یہی وجہ ہے کہ محمد آصف خان تحریر کرتے ہیں کہ'' کافی گانے والی چیز ہے۔اس لیے اس میں استھائی (پنجابی میں'' رہاؤ'' کہتے ہیں) کا ہونا ضروری ہے۔استھائی کے بعد جتنے بھی مصرعے آتے ہیں ان میں سے ہر مصرع کی ایک آزاد حیثیت ہوتی ہے۔ ہر مصرعے کے معنی تبھی واضح صورت میں سامنے آتے ہیں جب ان کے ساتھ استھائی والا مصرع دہرایا جائے'' کافیاں صوفیوں کے من پسند روحانی گیت ہیں جن میں وہ روح کی گہرائی سے اپنا حال بین کرتے ہیں اور منزل کی خبر دیتے ہیں شاعر عام طور پر مرشد یا رب کے عشق اور اس کی جدائی کی تڑپ سے ہلکے پھلکے مگر سنجیدہ انداز میں بیان کرتا ہے۔پنجابی زبان میں لکھی گئی کافیوں میں عربی فارسی زبان کے الفاظ اور اسلامی مذہبی کتابوں کے کئی حوالے ملتے ہیں مگر مجموعی طور پر ان میں مقامی زبان' محاورات اور تمدن کا رنگ حاوی ہے۔کافی ہیئتی صنف ہے اور اس کی پہچان استھائی ہے۔اس میں نہ تو مصرعوں کی تعداد متعین ہوتی ہے اور نہ ہی کوئی مخصوص بحر۔محمد آصف خاں کی تحقیق کے مطابق پنجابی زبان میں سب سے پہلے گورو نانک جی (1525ء۔1669ء) نے کافیاں تحریر کیں جو راگ آسا' راگ سوہی اور راگ مارو میں گرو گرنتھ میں درج ہیں۔ان کے بعد گورو رام داس (1584ء۔1538ء) گورو ارجن دیو (1606ء۔1562ء) اور گورو تیغ بہادر (1665ء۔1661ء)

کا نام بھی آتا ہے۔ بھگت کبیر (1504ء۔1398ء) کے علاوہ کئی دوسرے بھگتوں کے کلام میں ایسے بھجن ملتے ہیں جو کافی کی ہیئت پر پورے اترتے ہیں لیکن "بھگت بانیوں" کے مرتبین نے اس کی شعری کاوشوں کے لیے کبھی کافی کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ گوروارجن نے گورو گرنتھ 1604ء میں ترتیب دیا۔ گوروارجن (1562ء۔1606ء) اور شاہ حسین (1539ء۔1599ء) ہم عصر تھے لیکن انہوں نے گورونانک کی کسی بھی شعری تخلیق کو کافی کا نام نہیں دیا۔ حقیقت میں کافی کی صنف مسلمان شعراء سے پہلے موجود تھی لیکن بھگتی شعراء اسے "بھجن" اور "شبد" کے ناموں سے یاد کرتے رہے جب کہ مسلمان شاعروں نے اس ہیئت کو کافی کا نام دیا۔ گورنانک کے کچھ شبد ملتے ہیں جو کافی کی ہیئت کے مطابق ہیں۔

اس سلسلے میں شاہ حسین (1539ء۔1599ء) کا نام قابل ذکر ہے جنہوں نے باقاعدہ کافی لکھی اور کافی کے پہلے باقاعدہ شاعر ہیں۔ شاہ حسین نے کافی اور موسیقی کو لازم وملزوم بنا دیا۔ انہوں نے واضح طور پر لکھ دیا کہ کون سی کافی کس راگ یا راگنی میں گائی جائے۔ شاہ حسین کے بعد کافی کے اہم شاعر بلھے شاہؒ (1758ء۔1692ء) ہیں۔ خواجہ غلام فرید (1901ء۔1841ء) پنجابی صوفیانہ شعری روایت کے عظیم شاعر ہیں۔

کافی میں اشعار کی تعداد پر کوئی پابندی نہیں اور نہ ہی کوئی خاص بحر مخصوص ہے' اس کے اشعار میں غزل کی طرح جدائی' سوز اور درد کا رنگ نمایاں ہوتا ہے۔ کافی میں رب کی یاد' ذکر' فکر اور توبہ کا بیان ہوتا ہے۔ دنیا کی بے ثباتی بیان کی جاتی ہے اور عمل کا پیغام دیا جاتا ہے۔ قوالوں نے بلھے شاہؒ کی کافیوں کو اپنی گائیکی سے مقبول بنایا ہے۔ وادی سندھ میں کافی کو مقبول عام بنانے میں بابا بلھے شاہؒ کا حصہ بہت نمایاں ہے جس کی گونج آج بھی وادی سندھ کے گوشے گوشے میں سنائی دیتی ہے۔ وادی مہران کے ایک اور بزرگ صوفی شاعر حضرت سچل سرمستؒ نے بھی بابا بلھے شاہؒ سے فیض حاصل کیا تھا وہ اپنی ایک کافی میں فرماتے ہیں۔

بلھے شاہؒ بنا بیراگی جس کا شہر قصور

پنجابی ادب میں شاہ حسین، شاہ شرف بٹالوی، سید بلھے شاہؒ خواجہ غلام فرید، سچل سرمست اور پیر قطب علی شاہ کی کافیاں بہت مشہور ہیں۔ نمونہ کافی بلھے شاہؒ:

بھاویں جان نہ جان، وے ویہڑے آوڑ میرے
میں تیرے قربان، وے ویہڑے آوڑ میرے

1۔ تیرے جیا میتوں ہور نہ کوئی
ڈھونڈاں جنگل بیلے روہی
ڈھونڈاں تاں سارا جہان وے، ویہڑے آوڑ میرے
میں تیرے قربان وے ویہڑے آوڑ میرے

2۔ لوکاں دے بھانے چاک مہیں دا
رانجھا لوکاں وچ کہیں دا
ساڈا تاں دین ایمان وے ویہڑے آوڑ میرے
میں تبرے قربان وے ویہڑے آوڑ میرے

3۔ ماپے چھوڑ لگی لڑ تیرے
شاہ عنایت سائیں میرے
لائیاں دی لج جان وے ویہڑے آوڑ میرے
میں تیرے قربان وے ویہڑے آوڑ میرے

ترجمہ : تو مجھے کوئی وقعت دے یا نہ دے لیکن میرے آنگن میں تو آجا۔ میں تجھ پر قربان، میرے آنگن میں آجا۔ (i) مجھے تیرے جیسا اور کوئی نہیں ہے۔ میں تجھے جنگلوں بیابانوں اور بنوں میں ڈھونڈتی پھرتی ہوں، تمھاری تلاش میں تو سارا جہان چھان مارا ہے۔ تو میرے آنگن

میں آجا' میں تجھ پر قربان ہوں' میرے آنگن میں آجا۔(ii) لوگوں کے نزدیک تو بھینسوں کا رکھوالا ہے' وہ تجھے رانجھا کہہ کر پکارتے ہیں' لیکن میرا تو دین بھی تو ہے اور ایمان بھی تو۔ میرے آنگن میں آجا' میں تجھ پر قربان جاؤں' میرے آنگن میں آجا(iii) میں ماں باپ چھوڑ کر تیرے دامن آ لگی ہوں۔ میرے مرشد شاہ عنایت تو ہی میرا مالک ہے۔ اس لگی الفت کی آبرو اب تیرے ہاتھ میں ہے' اس کی لاج رکھ لے۔ میرے آنگن میں آجا' میں تیرے قربان میرے آنگن میں آجا۔)

سی حرفی

یہ نظم کی وہ قسم ہے جس میں ''الف سے ی'' تک ایک ایک حرف شروع کر کے مصرعے یا بند لکھے جاتے ہیں' جو عموماً بحر طویل میں ہوتے ہیں۔ پرانے شعراء میں سے اکثر کا کلام اسی صنف میں ملتا ہے۔ سی حرفیوں میں نہ صرف عشقیہ اور متصوفانہ دونوں قسم کے مضامین بیان کیے جاتے ہیں بلکہ اس میں دوسرے موضوعات کے ساتھ بھی طبع آزمائی کی جاتی ہے' بعض شعراء نے یہ صنف جنگ نامے' نعت اور داستان کے لیے بھی استعمال کی ہے۔

''سی'' فارسی زبان کا لفظ ہے جو تیس (۳۰) کے معنی دیتا ہے۔ سی حرف۔۔۔۔ یعنی تیس حرفوں والی نظم۔ اس میں ہر شعر یا بند نئے حرف سے شروع ہوتا ہے (حروف تہجی کو بنیاد بنا کر لکھنا) عام خیال کیا جاتا ہے کہ اردو اور پنجابی کے حروف ابجد (الف' ب وغیرہ) کی تعداد 30 ہوتی ہے حالانکہ اردو اور پنجابی کے حروف ابجد تیس (30) نہیں بلکہ سینتیس (37) ہیں اور ان میں بھ' پھ تھ' جھ وغیرہ شامل نہیں ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ پنجابی کے سینتیس (37) حروف میں سے مندرجہ ذیل سات حروف چھوڑ دیے گئے ہیں۔' پ' ٹ چ' ڈ' ڑ' ژ' گ۔ یہ حروف عربی زبان میں نہیں ہیں۔ اس لیے شاعروں نے ان کو نظر انداز کر دیا (لیکن کئی پنجابی شاعر ان میں سے بعض کو شامل بھی کر لیتے ہیں) فارسی کے حروف ابجد بھی تیس (30) ہیں اور تیس (30) کو فارسی میں ''سی'' کہتے ہیں۔ اس لحاظ سے اس صنف کو ''سی حرفی'' کہا جاتا ہے۔ اپنے اندر ایک ایمائیت

بھی رکھتا ہے جس سے اس کے استعمال کا جواز پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً قرآن شریف تیس پاروں میں منقسم ہے۔ مہینے کے دن تیس ہوتے ہیں۔

بلھے شاہؒ کی سی حرفیاں اس کی کافیوں کی طرح عشق اور ہجر کے رنگ میں رنگی ہوئی ہیں۔ ان میں کئی لطیف روحانی مشاہدات نہایت رمزیہ مگر سہل زبان میں بیان کئے گئے ہیں۔

وہ صوفی شاعر جس نے بلھے شاہؒ سے پہلے سی حرفیاں تحریر کیں "سلطان باہو" تھا۔ تین سی حرفیاں بلھے شاہؒ کے نام سے دستیاب ہوئی ہیں۔ قادر یار 19 ویں صدی کا ایک قصہ گو شاعر تھا۔ جس نے سی حرفیوں میں اپنا قصہ "پورن بھگت" لکھا ہے۔ صوفی شعراء کی سی حرفیوں میں صوفیانہ خیالات مرکزی طور پر ملتے ہیں۔ ان کی سی حرفیوں کا ہر ایک بند ایک آزاد و خیال پیش کرتا ہے۔ لیکن ان میں تخیلات کی تکرار پائی جاتی ہے۔ بلھے شاہؒ کی تین سی حرفیوں میں سے دو مکمل اور تیسری نامکمل ہے۔

کافی کی طرح سی حرفی بھی ایک غنائی نظم ہوتی ہے جو معروضی طور پر اپنے اندر تسلسل رکھتی ہے۔

نمونہ سی حرفی

ت تائے کے عشق حیران کیتا سینے وچ انبھوا بالیائی
مکھوں کوکدیاں آپ نوں پھوک لگی چپ کیتیاں میں تن جالیائی
پاپی برہوں دے جھکھڑ جھولیاں لک چھپ میرا جی جالیائی
بلھا شوہ دی پیت دی ریت کیہی آہیں تیتاں نال سنبھالیائی

ترجمہ : عشق نے مجھے جلا کر حیران کر دیا ہے۔ میرے سینے میں عشق کے شعلے بھڑک رہے ہیں۔ منہ سے فریاد کرتے ہوئے خود کو آگ لگا بیٹھی۔ خاموشی میں اپنا جسم جلا بیٹھی۔ اس پاپی برہوں کے طوفان نے چھپ چھپا کر میرا دل جلا ڈالا ہے۔

اے بلھے شاہ محبوب کی محبت کی یہ کیسی رسم ہے کہ گرم آہوں کے ساتھ ہی میں نے خود کو سنبھالا

ہوا ہے۔

باراں ماہ

باراں ماہ میں صوفی بارہ مہینوں کی ماہ بہ ماہ صوفیانہ کیفیات کو بیان کرتا ہے۔ یعنی اس صنفِ کی بنیاد سال کے بارہ مہینوں پر قائم ہے۔ اس لئے اگر زیادہ نہیں تو اس میں بارہ بند ضروری ہوتے ہیں۔ ہر مہینے کے ذکر کے ساتھ ساتھ گردوپیش کے حالات اور ذہنی رویے میں تبدیلیاں آتی رہتی ہیں۔ قدیم ترین بارہ ماہے، جو پنجابی میں ملتے ہیں، ان میں گرونانک کے "راگا تکھاری" میں گرو ارجن دیو کے "راگا ماجھ" میں ہیں۔ یہ آدی گرنتھ میں بھی شامل ہیں۔

اولین صوفی شاعروں میں بلھے شاہؒ پہلے شاعر ہیں جنہوں نے باراں ماہا تحریر کیا ہے۔ اس میں اس کے روحانی کرب کی کیفیت دکھائی دیتی ہے۔ باراں ماہ میں سال کے بارہ مہینوں کا بیان ہوتا ہے، جس میں عام طور سے نظم چیت کے پہلے مہینے سے شروع ہوتی ہے۔ بلھے شاہؒ کا باراں ماہا اسوج (اسوں) کے مہینے سے شروع ہوتا ہے۔ شاعر نے محبت اور فرقت کے مضمون کامیابی سے نبھائے ہیں۔

اسوں لکھوں سندیسوا واچے موراپی
گمن کیا تم کاہے کو جو کلمل آیا جی
اسوں اساں تساڈی آس
ساڈی جند تساڈے پاس
جگرے مُڈھ پریم دی لاس
دکھاں ہڈ سکائے داس

سؤلاں ساڑیاں

سولاں ساڑی رہی بے حال
مٹھی تدوں نہ گیاں نال

الٹی پریم نگر دی چال
بلھا شوہ دی کرساں بھال

پیارے ماریاں

ترجمہ : میں اپنے محبوب کو ماہ اسوج (اسوہ) میں خط (پیغام) لکھ رہا ہوں۔ شاید میرا محبوب اسے پڑھ لے۔ میں نے تم کو گم ہی کیوں کیا جو میرے دل کو اس قدر بے چین و بے قرار ہونا پڑا۔۔۔۔ اسوں میں تمہاری آس ہے اور میری جان تمہارے پاس ہے۔ یہ دل جگر تو ازل سے ہی تیری محبت کا مارا ہوا ہے۔ تیرے دکھوں نے میرے جسم کی ہڈیوں اور ماس کو سوکھا کر رکھ دیا ہے۔ میں بڑی تکلیف میں جل رہا ہوں۔ میں جل بل کر بے حال ہو چکا ہوں۔ میرے ساتھ فریب تب ہوا جب میں تمہارے ساتھ نہ گیا۔ یہ پریم نگر کی الٹی چال ہے۔ اے بلھے شاہؒ اب میں اپنے محبوب کی تلاش کروں گا اور اسی محبوب کا ستایا ہوا ہوں۔

اٹھوارہ

اٹھوارہ وہ نظم ہے جو ہفتے کے ساتھ دنوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ یہ ستواڑے کے نام سے بھی جانی جاتی ہے جو اس نظم کا صحیح نام کہا جانا چاہئے لیکن چونکہ اتوار کا دن دوہرایا جاتا ہے اس لئے اس کو اٹھوارہ کہا گیا ہے۔ آدی گرنتھ میں دو ستواڑے ملتے ہیں۔ ایک کبیر کا اور دوسرا سکھوں کے تیسرے گورو امرداس کا۔ عام طور سے یہ نظم اتوار سے شروع کی جاتی ہے لیکن بلھے شاہؒ اپنی نظم ہفتے سے شروع کر کے جمعہ پر ختم کرتے ہیں۔ آخری طویل بند میں جمعہ کا اعادہ کیا جاتا ہے۔ بلھے شاہؒ نے دنوں کے نام ایسے ہی استعمال کئے ہیں جیسے مسلمان استعمال کرتے ہیں مثلاً سوموار کو پیر، شکروار کو جمعہ۔

اس صنف میں ہفتے کے ہر دن میں شاعر پر جو کیفیت طاری ہوتی ہے اس کا حال بیان کیا جاتا ہے۔ ہر دن اس کی جذباتی کیفیت دوسرے دن سے مختلف ہوتی ہے۔ بلھے شاہؒ کے اٹھوارہ میں صوفیانہ کرب دکھائی تو دیتا ہے مگر آورد کا احساس ہوتا ہے اس میں شعریت کم ہے۔

بدھ سدھ رہی محبوب دی' سدھ اپنی رہی نہ ہور
میں بلہاری اوس دے' جو کھچ دا میری ڈور
بُدھ سُدھ آ گیا بدھ وار
میری خبر نہ لے دل دار
سکھ دکھاں توں گھتاں وار
دکھاں آن ملایاں یار

پیارے ماریاں

ترجمہ : بدھ کے دن مجھے محبوب کی ہوش رہی لیکن اپنے تیئں کچھ پتہ نہ رہا۔ یعنی بیخودی کا عالم طاری ہو گیا۔ میں اس (محبوب) پر قربان جاؤں جس کے ہاتھ میں میری زندگی کی ڈور ہے یعنی جس نے مجھے لذت عشق بخشی۔ بدھ وار آیا تو بدھ سدھ (عقل و ہوش) آ گئی۔ میرے دلدار (محبوب) نے میری بالکل خبر نہ لی۔ میں اس کے دکھوں پر اپنے تمام سکھ قربان کر دوں۔ کیونکہ ان دُکھوں نے ہی مجھے میرے اس یار سے ملایا ہے جس نے مجھے مار ہی دیا تھا۔

دوہڑے

دو مصرعوں کی نظم کی ایک شکل ہے۔ ہندی کے شعراء نے کثرت سے اس صنف شعر میں اظہار کیا ہے۔ دوہڑے میں شاعر دو مصرعوں میں ایک مکمل خیال بیان کر جاتا ہے۔ بلھے شاہؒ کے دوہڑے دو مصرعوں کے علاوہ چار مصرعوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ یہ چار اشعار کی چھوٹی نظمیں ہوتی ہیں جو باہم ہم قافیہ ہوتی ہیں۔ اس لحاظ سے یہ ایک قطعہ کی شکل کی شعر گوئی ہے۔ بلھے شاہؒ کے دوہڑے یا تو قطعات یا چار شعروں پر مشتمل چھوٹی نظمیں ہیں بلھے شاہؒ کے 49 دوہڑوں میں سے صرف 7' چار اشعار کی حقیقی نظمیں اور باقی قطعات ہیں۔ یہ بے حد نصیحت آموز ہیں۔ بلھے شاہؒ کے دوہڑوں کا ایک خاص وصف اس کا طنزیہ انداز ہے وہ کسی رو رعایت کے بغیر اپنے معاشرے کی منافقت اور دو عملی پر بھرپور تنقید کرتا ہے۔ اس کا رویہ جارحانہ ہے۔ وہ نام نہاد علماء

دین اور مولویوں کا تمسخر اڑاتا ہے۔ وہ ایک معاشرتی نقاد کے طور پر سامنے آتا ہے اور صوفیانہ شاعری کو ایک طرح کی موضوعیت سے روشناس کراتا ہے۔ طرز بیان بڑا بے خوف اور پر زور ہے وہ اپنے دوہڑوں کے کوزے میں معنی کا دریا بند کئے ہوئے ہے۔

دھرم سالہ دھڑوائی رہندے ٹھاکر دوارے ٹھگ

وچ مستیاں کوسیئے رہندے عاشق رہن الگ

ترجمہ : شاہؒ! دھرم سالہ (مندر) میں ماردھاڑ کرنے والے ڈاکو رہتے ہیں اور ٹھاکر دوارہ (مندر۔ دیوتا کی جگہ) میں ٹھگ چور' اسی طرح مساجد میں ریاکار اور بے عمل خشک ملا رہتے ہیں۔ لہٰذا عاشق ہر ایک سے الگ تھلگ ہی رہتے ہیں۔

وارے جایئے انہاں تو جہڑے گلیں دین پرچا

سوئی سلائی دان کرن آہرن لین چھپا

ترجمہ : بلھا! ان لوگوں پر قربان جاؤں جو صرف زبانی باتیں کر کے ٹرخا دیتے ہیں۔ سوئی سلائی یعنی معمولی چیز تو خیرات کر دیتے ہیں لیکن آہرن یعنی پسندیدہ اور قیمتی چیز چھپا لیتے ہیں۔

وارے جایئے تنہاں توں جیہڑے مارن گپ شڑپ

کوڈی لبھی دین چا بغچہ ُھاؤ گھپ

ترجمہ: بلھا! قربان جاؤں ان لوگوں پر جو بڑی گپیں مارتے ہیں۔ اگر گری پڑی کوڑی مل جائے تو واپس دے دیتے ہیں لیکن کہیں سے گٹھڑی مل جائے تو اسے ہڑپ کر جاتے ہیں۔

ہور نے سبھے نے گلویاں ایک اللہ دی گل

کجھ رولا پایا عالماں کجھ کاغذاں پایا جھل

ترجمہ :اور تو سب نکمی اور فضول باتیں ہیں بات اگر کام کی ہے تو صرف اللہ کی ہی ہے۔ لیکن افسوس کہ اس ضمن میں کچھ تو خشک ملاؤں نے اختلافات پیدا کر رکھے ہیں اور کچھ کاغذوں یعنی عبارتوں اور کتابوں نے حقیقت پر پردہ ڈال رکھا ہے۔

کے گیاں گل مکدی نہیں جے دلوں نہ آپ مکایئے
گنگا گیاں پاپ نہیں جھڑدے بھاویں سوسوغوطے لایئے
گیا گیاں گل مکدی' ناہیں بھاویں کتنے پنڈ بھرآیئے
بلھے شاہؒ گل تاہیں مکدی جد ئیں ذوں کھڑیاں لٹایئے

ترجمہ : صرف مکہ جانے سے خدا نہیں ملتا تاوقتیکہ اپنے دل سے کرو ہنکار کو ختم نہ کریں۔ دریائے گنگا میں جا کر نہانے سے گناہ دور نہیں ہو جاتے خواہ اس میں سینکڑوں غوطے بھی کیوں نہ لگائے جائیں۔ گیا تیرتھ ہو آنے سے خدا نہیں مل جاتا خواہ تمام مقدس دیہات کی زیارت کیوں نہ کرلیں۔ بلکہ خدا اگر ملتا ہے تو صرف اپنی خودی اور ہنکار کو مارنے سے ہی ملتا ہے۔

اِٹ کھڑکے دگڑ وجے' تتا ہووے چُلھا
آون فقیر تے کھا کھا جاون راضی ہووے بلھا

ترجمہ : بحث مباحثہ جاری ہے (روٹی پکانے میں) تالی کی آواز بھی آ رہی ہے اور چولہا بھی گرم ہو رہا ہے۔

درویش آتے ہیں اور (اپنا حصہ) کھا کھا کر چلے جاتے ہیں' بلھا خوش ہو رہا ہے۔

بلھا قاضی راضی رشوتے، ملاں راضی موت
عاشق راضی موت تے نہ پرتیت کھلوت

ترجمہ : قاضی رشوت کھانے پر راضی ہیں اور ملا کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ کوئی مرے اور مجھے کچھ ملے۔ لیکن عاشق اپنی موت کی بھی پرواہ نہیں کرتے یہاں تک کہ تابوت یا جنازہ سے بھی بے نیاز ہوتے ہیں۔

گنڈھاں

یہ ایک مختصر شکل کی نظم ہوتی ہے جس کا تعلق شادی بیاہ کی تقریب سے ہوتا ہے۔ اس میں شادی کے انتظامات سے متعلق حوالے ہوتے ہیں۔ مثلاً شادی کی تاریخ کا تقرر' باراتیوں کا استقبال'

شادی شدہ جوڑے کی ودائی وغیرہ' کافی کی طرح گنڈھ بھی شاعری کی ایک صنف ہے۔ بلھے شاہؒ نے چالیس گنڈھاں تحریر کیں ہیں۔ پہلی اور آخری گنڈھ ہر ایک آٹھ اشعار پر مشتمل ہے جبکہ باقی گنڈھاں چار چار اشعار کی ہیں۔ بلھے شاہؒ کی گنڈھوں میں روحانی شادی کا بیان ملتا ہے آخری شعر میں لفظ عبداللہ آتا ہے جو بلھے شاہؒ کا حقیقی نام ہے۔

گنڈھ پہلی نوں کھول کے میں بیٹھی برلاواں
اوڑک جاون جوناں بن میں داج رنگاواں
دیکھوں طرف بازار دی سب رستے لاگے
پلے ناہیں روکڑی سب مجھ سے بھاگے

ترجمہ : میں پہلی گانٹھ کھول کر آہ وزاری کر رہی ہوں آخر مجھے دوسرے گھر (اگلے جہان) جانا ہے لہٰذا جہیز تیار کر لینا چاہیے (نیک اعمال کا توشہ تیار کرنا چاہئے) میں بازار میں ہر طرف دیکھ رہی ہوں۔ میرے پلے دام نہیں' کوئی مجھے نزدیک نہیں آنے دیتا۔ (نیک اعمال کے بغیر نجات ممکن نہیں ہے)

بلھے شاہؒ کی کافیاں خاص طور پر روحانی اور عشق حقیقی پر مبنی ہیں جن میں عاشق کی مختلف کیفیتوں کی منظر کشی کی گئی ہے حالانکہ ان میں عشق مرکزی خیال کے طور پر موجود ہے۔ تاہم ایسی کافیاں بھی ہیں جن میں طالب کے لئے ہدایت و نصیحت موجود ہے۔ وہ اپنے کردار و فطرت کے اعتبار سے ناصحانہ ہیں۔ لیکن عشق کا عنصر اور ناصحانہ انداز بعض اوقات صرف کافیوں ہی میں نہیں' دوسرے کلام میں بھی کھل کر سامنے نہیں آتے۔

شاعری کا انداز

بلھے شاہؒ کے زمانے میں پنجاب کی قومی روح کو باہمی تعصب' تنگ دلی' مذہبی منافقت اور قبائلی و نسبی بغض و حسد کے بے شمار روگ لگے ہوئے تھے۔ ان کی شاعری کا پیغام دراصل ان

بیماریوں کا علاج تھا۔

1۔ ان کے کلام میں عشق الٰہی، حق گوئی، بے باکی اور راست کرداری صاف طور پر عیاں ہوتی ہے۔

2۔ توحید باری تعالیٰ اور عشق حقیقی ان کی شاعری کا بنیادی موضوع ہے اور اس موضوع کو انہوں نے متنوع انداز سے پیش کیا ہے۔ انہوں نے روحانیت اور فلسفے کو ملا کر پیش کیا ہے۔

3۔ ان کے کلام کا ایک بڑا حصہ پیشہ ور ملاؤں اور نام نہاد عالموں کی ہوس زر، منافقت اور خواہش اقتدار کی مخالفت میں کہا گیا ہے۔

4۔ انہوں نے اللہ کی محبت انسانوں کی بلا تفریق و امتیاز محبت اور عمل صالح کو اصلی نیکی اور صحیح مذہب کی بنیاد قرار دیا ہے۔ اپنی کافیوں میں اس کا تمام عمر پرچار کرتے رہے۔

5۔ محض ظاہری عبادت کو اصل مذہب قرار دینا بلھے شاہؒ کے مسلک میں نہیں۔ جب تک اللہ سے دل نہ لگا ہو سب عبادتیں بیکار ہیں۔

6۔ سادہ زبان اور عام فہم اسلوب میں زندگی کی عمیق ترین حقیقتیں کہہ جاتے ہیں۔ یہ حقیقتیں صرف قال ہی نہیں بلکہ حال کا درجہ رکھتی ہیں۔

7۔ ان کی شاعری آفاقی اور پوری انسانیت (بلا امتیاز مذہب و ملت) کی شاعری ہے، جس میں عالمگیری اور ہمہ گیری کے علاوہ ادب کی چاشنی اور تاثیر کی فراوانی ہے۔

8۔ وہ ظاہر پرستی، علم کی اجارہ داری اور خود ساختہ تصورات کی نفی کرتے چلے جاتے ہیں دنیا کی ناپائیداری کا نقشہ مؤثر انداز میں کھینچا ہے۔

9۔ انہوں نے تصوف کے مندرجہ ذیل مسائل پر خصوصی طور پر توجہ دی ہے۔

1۔ توحید۔۔ وجودی اور شہودی

2۔ یک رنگی

3۔ ذکر

4۔ عمل

5۔ اطاعت

6۔ علم

7۔ فنا اور بقا

8۔ انسان وغیرہ انہوں نے نظریۂ وحدت میں وحدتِ وجودی اور وحدتِ شہودی پر واضح بات کی ہے۔ ''ہمہ اوست'' اور ''ہمہ از اوست'' دونوں درست ہیں۔

ناقدین کی آراء

1. میاں محمد بخش اپنی مشہور کتاب "سیف الملوک" میں فرماتے ھیں.

بلھے شاہ دی کافی سن کے ترٹ دا کفر اندر دا
وحدت دے دریا دے اندر اوہ بھی وتیا تردا

(سفر العشق یعنی قصہ سیف الملوک و بدیع الجمال۔ با اہتمام حافظ محمد امین جہلم 1923ء۔ص436)

2. مولوی محمد عبدالرحمن درد فرماتے ھیں.

بلھے شاہ ہے شاہ فقیراں شعر گیا ورتاندا
نظم برابر شعر بنائیں پیرے تُل جنہاں دا

(کشف الانوار۔درد۔ص141)

3. سید جلال شاہ ھمدانی تحریر کرتے ھیں.

بلھے شاہ قصوری شاعر ولی کمال نہایت
جس دے اتے کرم کمایا حضرت شاہ عنایت
سبھے شاعر سر جھکاون سن کوئی اسدی کافی
لکھ کروڑاں قیمت پاون جو صاحب انصافی

(آئینہ معرفت عرف داستان ہما۔سید جلال شاہ ہمدانی۔ پنڈ دادنخان۔ 1957ء ص 121-120)

4. پروفیسر ڈاکٹر احمد حسن قریشی قلعہ داری تحریر کرتے ہیں۔

''سید بلھے شاہؒ پنجابی کے سرتاج صوفی شاعر ہیں'' بلھے شاہؒ کے کلام میں عشق الٰہی، حق گوئی، بے باکی اور راست کرداری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے زور کلام مثالی ہے ان خوبیوں کی وجہ سے بلھے شاہ کا نام پنجابی شعراء کی صف اول میں لیا جاتا ہے۔

(پنجابی ادبیات کی مختصر تاریخ، ڈاکٹر احمد حسین قریشی، عزیز بکڈپو لاہور 2002ء ص 71-69)

5. عبدالغفور قریشی فرماتے ہیں۔

''بلھے شاہؒ نے اپنیاں کافیاں وچ جیہڑا تصوف ورتیا اے اوہ رندی سے مستی سوز تڑپ تے ویراگ دے ولولے نال بھرپور اے''۔ (پنجابی ادب دی کہانی۔عزیز بکڈ پو لاہور 1972ء ص 28)

6. انیس ناگی بتاتے ہیں۔

بلھے شاہؒ کی صوفیانہ شاعری میں بعض ایسے فکری عناصر ہیں جو اسے دوسرے پنجابی صوفی شعراء سے منفرد کرتے ہیں۔ بلھے شاہؒ کی شاعری میں ایک سے زیادہ صوفی رجحانات دکھائی دیتے ہیں۔ جو یہاں کی تاریخی اور ثقافتی تحریکوں کا نتیجہ تھے۔اس کی شاعری میں ایک طرف اسلامی تعلیمات، رسولؐ خدا سے محبت، وحدانیت، ابن العربی کا تصور وحدت وجود وغیرہ واضح طور پر دکھائی دیتے ہیں اور دوسری طرف صلح کل، تمام مذہب میں یگانگت اور انسانی وجود کی کم مائیگی کے تصورات اس کی شاعری میں تواتر کے ساتھ نمودار ہوتے ہیں۔'' (بلھے شاہ۔انیس ناگی۔ لاہور 2009ء ص 42)

7. مولا بخش کشتہ تحریر کرتے ہیں۔

بلھے شاہؒ نے اپنیاں کافیاں، وچ نرا عشق، برہ، رندی تے شوخی دا اظہار نہیں کیتا۔سگوں دنیا دی بے ثباتی نوں تکھ رکھ کے اخلاق نیکی تے عملاں دی سکھشا وی دتی اے''

(پنجابی شاعراں دا تذکرہ۔میاں مولا بخش کشتہ۔لاہور 1960ء ص107)

8. ڈاکٹر لاجونتی راما کرشنا اپنی کتاب Panjabi Sufi Poets میں تبصرہ کرتی ھے کہ

"Bullhe Shah is universally admitted to have been the greatest of the Panjabi mystics. No Panjabi mystic poet enjoys a wider celebrity and a geater reputation. His Kafis have gainded unique popularity. In truth he is one of the geatest sufis of the world and his thought equals that of jala-ud-din Rumi and shamsi Tabriz of Persia."

(Panjabi sufi poets\ Lajwanti Rama Krishna. Ph. D. oxford university press-1938-page-40)

9- "Bulhe Shah's verses are very popular among the Punjabis. The reason evidently is his romantic defiance of the Muslim Sharia and an apparent condemnation of both Hindu and Muslim bigotory and ritual. But as a poet he is much overated nor is there any profundity in his beliefs. His language and verification are simple to a fault. There is overmuch repetition of some simplistic concepts and motifs."

(A history of Punjabi literature by Sant singh Sekhon and Kartar Singh Duggal. Page 71. Sahitya Akademi, Delhi\ 1992.)

10- "Bulleh Shah acted as the bridge between Islamic

mysticism and Hindu religion. So, naturally we see vastness of the language in the poetry of Bulleh shah."

(History of Punjabi literature by Dr. C.L. Narang: Natioal Book shop. Delhi\ 1987\ page\ 158)

11- "Bulleh Shah's big battle was against the clergy, the self- appointed custodians of what is right and what is wrong for the layman. Their tyranny was insidious and affected even small matters in the life of people, He lashes against their soul-less religious practices, meanness and hypocricy."

(Punjabi. Syed Abdul Quddus; Royal Book company Karachi - 1992. page 168.)

12- "So Bulleh Shah wandering poet and preacher of the Panjab, finds himself at the end of his quest for truth in the same state of mind as the french philosopher paseal, who astonished and perplexed at the conclusions to which his reasoning led him, cried out in his agony of soul: "How long shall. I be in this state of doubts which is a kind of torment and is nevertheless the only use I can make of reason?."

("Bulleh Shah. C.F. Usborne\ Ra Sahib Ghulal Singh- Lahore- 1905 page.15.)

حواشی

حضرت سید بلھے شاہ قادری شطاری قصوری

1۔ ہندوستان (برصغیر پاک و ہند) میں صوفیاء کرام کا تعلق تصوف کے چار بڑے سلسلوں سے تھا۔ جن میں چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ اور نقشبندیہ سلسلے شامل ہیں۔ قادریہ سلسلہ شیخ عبدالقادر جیلانی (م 561ھ/1166ء) کے نام سے منسوب ہونے کی وجہ سے قادریہ کہلاتا ہے۔ ان چار صوفی سلسلوں کے علاوہ فردوسی اور شطاری دو اہم سلسلے اور تھے۔ ویسے تو یہ سب ممتاز مانے جاتے تھے لیکن مریدوں کا کئی کئی سلسلوں سے بیک وقت وابستہ رہ کر پیروں سے رشد و ہدایت لینے کا عمل عام ہو گیا تھا۔ پیر بھی ایک ہی وقت میں ایک سے زیادہ سلسلوں میں روحانی عقیدت رکھتے تھے۔ ایسی صورت میں مرید بھی ان کا مقلد رہ کر مشہور ہوتا تھا۔ جیسے کہ بلھے شاہ اور ان کے پیر شاہ عنایت کے ساتھ ہوا کہ وہ قادری اور شطاری صوفیوں کے سلسلے سے منسوب ہو کر مشہور ہوئے۔

2۔ سلسلہ شطاریہ شیخ بایزید بسطامی کی طرف منسوب ہے۔ اس سلسلے کے بزرگ اپنے آپ کو شطاری اس لئے کہتے ہیں کہ وہ سلوک اور طریقت میں دوسرے سلسلے کے بزرگوں سے (شطار) یعنی زیادہ تیز اور سرگرم ہوتے ہیں۔ لوگ جنگلوں میں رہ کر سخت ریاضتیں کرتے تھے۔ شطاری اپنا سلسلہ شیخ شہاب الدین سہروردی سے ملاتے ہیں۔ عہدے وسطیٰ میں شطاریہ طریق تصوف نے بہت زیادہ فروغ حاصل کیا۔ سب سے پہلے شمالی ہندوستان میں جس بزرگ نے یہ طریقہ جاری کیا وہ شیخ عبداللہ شطاری تھے جو اپنے پیر کے ارشاد کی بنا پر ایران سے ہندوستان

تشریف لائے۔ان کا سلسلہ نسب پانچ واسطوں سے حضرت بایزید بسطامی سے جاملتا ہے۔(رودِ کوثر شیخ محمد اکرم ص33)

شطار ش کے ضمہ اور طا کی تشدید کے ساتھ شاطر کی جمع ہے جو مشتق ہے شطور سے، جس کے معنی ہیں شوخی، شوخی کرنا، بے باکی اختیار کرنا۔شطار کے معنی ہیں دلیر اور وہ بے باک جو اپنی جان کو شعلۂ آتش عشق میں بے دھڑک ڈال دیں یا شمع محبت پر پروانہ وار جل جائیں۔

در سوز نار عشق چو عیاری رویم

سر زیر پا نہادہ چو شطاری رویم

اصطلاح تصوف میں شطار سالکین کی ہر وہ جماعت کہلاتی ہے کہ جن کی سیر بطریق جذبے کے ہو، چونکہ شیخ عبداللہ شطاری کے طریقے میں سالک کو ایسے اعمال میں مشغول کیا جاتا ہے کہ جس کی بنا پر وہ فی الفور جذبۂ الٰہی کے مورث ہوتا ہے اس لئے ان کے طریقے کو شطاریہ کے نام سے شہرت ہوئی۔کشف اللغات میں ہے کہ شطاران کو اس بجہ سے کہتے ہیں کہ سالک ان کے طریقے میں طرفۃ العین میں حق تعالیٰ تک پہنچتا ہے۔(ماخوذ از ینابیع الحیوۃ الابدیہ، قلمی باب اول۔فصل دوم۔مملوکہ سندھی ادبی بورڈ)

شطار کے معنی تیز رفتار کے ہیں اور صوفیہ کی اصطلاح میں علم شطار مشغل باطنی کو کہتے ہیں جس سے فنا فی اللہ اور بقا باللہ کا مقام حاصل ہوتا ہے۔کتاب ''جواہر خمسہ'' (از شاہ محمد غوث گوالیاری) میں لکھا ہے۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے ''نزل علم الشطار قبل الفرقان فی صدری فتحقیقت حقیقت الاشیاء من الازل الی ابد'' (ترجمہ: میرے سینہ میں علم شطار نازل ہوا، قرآن سے پہلے اور ازل سے ابد تک مجھے حقیقت الاشیاء سے آگاہی ہوگئی) پس یہ علم شطار حضرت رسالت مآب علیہ الصلوۃ والسلام سے امیرالمومنین حضرت علی کرم وجہ اللہ کو پہنچا اور آپ سے صوفیاء کرام کو حاصل ہوا۔

3۔ کلیات بلھے شاہ۔ڈاکٹر فقیر محمد فقیر۔پنجابی ادبی اکیڈمی، لاہور، 1970ء، ص۔ب

4۔ تذکرہ سید حضرت بلھے شاہ، مطیع الرحمٰن قریشی، اللہ والے کی قومی دکان لاہور، (س ن)

ص 13، ص 98

5۔ بعض مصنفین نے یحیٰ شاہ محمد درویش اور بعض نے سید درویش محمد یحیٰ تحریر کیا ہے۔(i) بلھے شاہ از سریندر سنگھ کوہلی ص 24 (ii) تذکرہ حضرت شاہ عنایت قادری شطاریؒ از میاں اخلاق احمد ص 80

6۔ طریق الاصفیاء، سراج دین قادری شطاری ص 82

7۔ نافع السالکین۔ارشادات وملفوظات حضرت خواجہ سلیمان تونسویؒ

8۔ Bullah Shah۔از۔C.F Uslorne، ص 2

9۔ حضرت بلھے شاہ۔محمد شریف گلزار۔فیروز سنز ص 5

10۔ مولا بخش کشتہ، پنجابی شاعراں دا تذکرہ، لاہور 1960ء، ص 102

11۔ جیت سنگھ سیتل، بلھے شاہ، جیون تے رچنا، ص 4،3

12۔ ضیاء الدین لاہوری، جوہر تقویم، ص 75

13۔ عبدالغفور قریشی، پنجابی زبان وادب تے تاریخ۔ص 124

14۔ عبدالغفور قریشی، پنجابی ادب دی کہانی، عزیز بکڈ پولاہور، 1972ء، ص 279

15۔ ڈاکٹر عبدالسلام خورشید، پنجاب کے رومان، قومی کتب خانہ لاہور 1905ء، ص 7

16۔ مطیع الرحمٰن قریشی الہاشمی، تذکرہ سید حضرت بلھے شاہ، اللہ والے کی قومی دکان لاہور، ص 82

17۔ حضرت بلھے شاہ کی آبائی سکونت اور سال ولادت کے بارے میں اختلافی روایات ملتی ہیں، جو تحقیق طلب ہیں۔ہجری اور عیسوی سال ولادت جو مختلف تذکروں میں ملتے ہیں، آپس میں مطابقت نہیں رکھتے۔عام لوگ تحریر کرتے ہیں کہ آپ قصور کے موضوع پانڈو کی میں پیدا ہوئے حالانکہ آپ نے اُچ میں جنم لیا۔

18۔ چینا پنجاب کا ایک مشہور اناج ہے۔باریک اور چکنا سا دانہ ہوتا ہے۔سوانک کے دانہ

سے ملتا جلتا ہے۔ آج کل اس کی کاشت بہت کم ہے۔

19۔ ڈاکٹر محمد ریاض شاہد: مضمون سید بلھے شاہ دا ان چھپاتے الحاقی کلام۔ جھیما ہی کھوج لاہور۔ 27، شمارہ نمبر 53-54 (جولائی۔ دسمبر 2004ء۔ جنوری۔ جون 2005ء) ص 150

20۔ بشیر احمد شاہ، انوار محی الدین ص 4، غلام سرور مفتی لاہوری، حدیقۃ الاولیاء، ص 142، ملفوظات شریف حضرت شاہ غلام علیؒ، ص 3

21۔ شاہ عنایت، بلھے شاہ از الحاج منشی عبدالجید، اشرفی قادری قصوری، لاہور 1990ء، ص 64

22۔ انیس ناگی نے ان کی بہنوں کے نام صغراں بی بی اور سکینہ بی بی جبکہ والدہ کا نام فاطمہ تحریر کیا ہے۔ (بلھے شاہ صفحہ 20)

23۔ شیخ محمد فاضل بٹالوی کے والد محترم کا نام عنایت اللہ ہے۔ آپ نے عربی اور فارسی کی تحصیل مولوی عبدالحکیمؒ سیالکوٹی کے نواسہ ابوالحسن فتح محمد اور میاں محمد غوث لاہوریؒ سے کی۔ علم و فضل کی وجہ سے بڑی شہرت حاصل کی۔ مختلف مقامات کی سیر و سیاحت کی اور بعد میں بٹالہ تشریف لائے اور وہیں اقامت گزینی کر لی۔ آپ سلسلہ فاضلیہ کے بانی ہیں اور شیخ محمد افضل کلانوریؒ کے مرید تھے جو حضرت ابو محمد لاہوریؒ کے خلیفہ تھے۔ شیخ محمد افضل کلانوریؒ نے 1092ھ مطابق 1681ء میں وفات پائی اور اپنے پیر و مرشد کے پہلو میں دفن ہوئے۔ آپ کی عمر 73 سال تھی اور محمد شاہ بادشاہ دہلی کا عہد تھا۔ مذکورہ روایت دربار بلھے شاہ اور دربار فاضلیہ کے گدی نشین بیان کرتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

24۔ مفتی غلام سرور لاہوری: خزینۃ الاصفیاء حصہ اول ص 189، حدیقۃ الاولیاء ص 63، عبدالحیٔ حسنی، نزہۃ الخواطر جلد ششم ص 305، رحمان علی، تذکرہ علمائے ہند ص 193-194

25۔ اکبر بادشاہ کے عہد میں "مزنگ" محلہ پر عزیز مزنگ کے نام سے مشہور تھا۔ پیر عزیز کابل سے لاہور آ کر مقیم ہوئے۔ مغلوں کی ایک گوت "مزنگ" کہلاتی ہے۔ اس وجہ سے اس

آبادی کا نام مزنگ پڑ گیا۔ واقع زرعی اراضی کو "علاقہ حدست مزنگ" کہتے ہیں۔ اس علاقہ کا شمار مضافات لاہور میں ہوتا تھا۔ الرائی قوم بکثرت آباد ہے۔ جس کا ذریعہ معاش کاشتکاری اور زمینداری ہے۔ یہ علاقہ بہت آباد اور وسیع تھا۔ اب شہر لاہور کا حصہ بن گیا ہے۔

26۔ کتاب تذکرہ شاہ عنایت میاں اخلاق احمد ص 27

27۔ اس روایت کے بیان کرنے والے آپ کے گدی نشین اور خاندان کے افراد ہیں (واللہ اعلم بالصواب)

28۔ ڈاکٹر لاجونتی رام کرشنا۔ پنجابی صوفی پوئیٹس ص 45-47-48

29۔ شاہ عنایت، غایۃ الحواشی ورق اول قلمی نسخہ مخزونہ کتاب خانہ دانش گاہ پنجاب لاہور 641

30۔ شاہ عنایت: رسالہ ذیل الاغلاط (قلمی مملوکہ محمد اقبال مجددی بحوالہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ (پنجاب یونیورسٹی) لاہور جلد 14، حصہ دوم ص 305

31۔ مولوی عبدالہادی لاہوری، آپ حضرت شاہ عنایت قادریؒ کے استاد ہیں۔ بڑے عالم اور صاحب ارشاد بزرگ ہیں۔ آپ شمائل ترمذی کے شارح ہیں۔ شارح النبویہ (ﷺ) کے نام سے شہرت پائی۔ علماء زمانہ میں ممتاز مقام رکھتے تھے۔ بحوالہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ (پنجاب یونیورسٹی) لاہور جلد 14 حصہ دوم ص 305

32۔ غلام سرور مفتی لاہوری۔ خزینۃ الاصفیاء ص 189

33۔ ڈاکٹر لاجونتی رام کرشن، پنجابی صوفی پوئیٹس ص 45 (بزبان انگریزی) حضرت شاہ عنایت قادریؒ خود فرماتے ہیں کہ میں نے آٹھ سلسلوں سے خلافت پائی۔ ماخذ دستور العمل بحوالہ سلیم التواریخ ص 371۔ پھر ڈاکٹر لاجونتی رام کا بیان غیر صحیح ہے۔

34۔ ڈاکٹر لاجونتی: پنجابی صوفی پوئیٹس (انگریزی) ص 45

35۔ حضرت نظام الدین چشتی لاہوری۔ آپ نے خرقہ خلافت نظام الدین اورنگ آبادیؒ

سے حاصل کیا تھا۔ جو حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادیؒ کے خلیفہ تھے۔ اورنگ آباد سے لاہور تشریف لائے۔ گڑھی شاہو میں اقامت پذیر ہوئے۔ درس و تدریس اور رشد و ہدایت کا سلسلہ شروع کیا۔ آپ کا مدرسہ لاہور میں ایک مثالی درسگاہ تھی۔ لاہور کے بے شمار لوگوں نے آپ سے فیوض و برکات حاصل کئے۔ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سید جان محمد حضوریؒ اسی مدرسہ سے فارغ التحصیل ہوئے تھے (محمد دین فوق: تذکرہ علمائے لاہور مطبوعہ 1920ء لاہور ص 56) آپ نے 1117ھ/1705ء میں وفات پائی) ریلوے کالونی علامہ اقبال بورڈ بالمقابل آبادی محمد نگر میں آپ کا مزار ہے جو مرجع خلائق ہے۔

36۔ ملا محمد اکرم ولد یحییٰ لاہوریؒ بڑے حلیم، بردبار اور پرہیزگار تھے۔ علوم دینیہ اور عربی علم و ادب کے فاضل تھے۔ بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر نے انہیں بلا کر اپنے سب سے چھوٹے بیٹے شہزادہ کام بخش کا اتالیق مقرر کیا تھا۔ فتاویٰ عالمگیری کی ترتیب پر مقرر کئے گئے۔ اس عظیم کتاب کا ایک چوتھائی حصہ آپ کی نگرانی میں پایہ تکمیل کو پہنچا۔ ملا عبدالحکیم سیالکوٹی لکھتے ہیں کہ لاہور میں پسر ملا یحییٰ کی فضیلت اور پایہ کا کوئی عالم نہیں تھا۔ بختاور خان کی رائے ہے کہ ملا محمد اکرم انسانی لباس میں فرشتہ تھے۔ آپ کا مدرسہ لاہور میں ایک ممتاز حیثیت رکھتا تھا۔ آپ نے دین اسلام کی بھرپور اشاعت کی۔ حضرت شاہ عنایت قادریؒ کے ہم عصر تھے۔

37۔ شاہ محمد غوث قادریؒ۔ آپ سید حسن پشاوریؒ کے فرزند ارجمند تھے،۔ 1085ھ مطابق 1674ء پشاور میں پیدا ہوئے۔ آپ سادات کرام سے تھے۔ سلسلہ عالیہ قادریہ میں اپنے والد ماجد سے بیعت تھے اور ان ہی سے خرقہ خلافت پایا۔ آپ صاحب علم و عمل، جامع شریعت و طریقت تھے۔ آپ کی تصنیفات میں اسرار الطریقت، اسرار التوحید، شرح عقیدہ غوثیہ، رسالہ ذکر جہر اور رسالہ غوثیہ بہت مشہور تھے۔ آپ کے درس سے ہزاروں لوگ فیض یاب ہوئے۔ 1152ھ/1739ء میں وفات پائی۔ آپ کا مزار بیرون دہلی دروازہ نزد میونسپل ریڈنگ روم اور لائبریری واقع ہے۔

38۔ سید صدر الدین محمد بن اسحاق قونیوی قونیہ (ایشیائے کوچک) کے رہنے والے تھے۔ ابوالمعانی آپ کی کنیت تھی۔آپ علوم ظاہری و باطنی و عقلی و نقلی کے جامع تھے۔آپ شیخ محی الدین ابن العربی قدس سرہ کے خلیفہ اعظم تھے۔شیخ کی وفات کے بعد مسندِ رشد و ارشاد پر ممکن ہو کر ایک عالم کو ہدایت فرماتے رہے۔شیخ موید الدین جندی، شیخ شمس الدین مکی، شیخ فخر الدین عراقی اور شیخ سعید الدین فرغانی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین آپ کی خدمت بابرکت سے تربیت حاصل کر کے مرتبہ ارشاد پر پہنچے۔صاحب نفحات الانس فرماتے ہیں کہ مولانا قطب الدین علامہ شیرازیؒ حیاث میں آپ کے شاگرد تھے۔شیخ سعد الدین حمویؒ کی صحبت بہت رہی۔مولانا رومؒ سے بھی صحبت رہی۔ مولانا رومؒ نے وصیت کی تھی کہ میرے جنازہ کی نماز شیخ صدر الدین قونیوی پڑھائیں۔آپ صاحب تصنیف بھی تھے۔تفسیر فاتحہ، مفتاح الغیب، فصوص، فکوک اور کتاب نفحات الہیہ آپ کی یادگار ہیں۔

39۔ نقوش لاہور نمبر ص 526، صوفی محمد اکبر علی، سلیم التواریخ ص 369

40۔ محمد علی فارق: انگریز، سرسکندر اور خاکسار تحریک، ص 71

41۔ کلیات بلھے شاہ، ڈاکٹر فقیر محمد فقیر، پنجابی ادبی اکیڈمی لاہور 1970ء، کافی 53

42۔ کلام بلھے شاہ، مرتب ڈاکٹر سید نذیر احمد ص 19

43۔ محمد شریف گلزار نے ''حضرت بلھے شاہ'' کے صفحہ 22 پر یہ بڑھایا ہے یعنی بلھے سے

بلھے نالوں چلھا چنگیرا
جس تے روٹیاں لائیاں

یعنی بلھے شاہ سے چولھا بہتر ہے جس پر روٹیاں پکتی ہیں

44۔ سلیم التواریخ، صوفی اکبر علی، روز دار الیکٹرک پریس امرتسر، 1919ء، ص 379-378

45۔ پنجابی زبان میں ایک کہاوت اس کے الٹ ہے کہ

''جے توں بندہ سائیں دا
وساہ نہ کھائیں ارائیں دا''

46۔ کلیات بلھے شاہ: ڈاکٹر فقیر محمد فقیر، پنجابی اکیڈمی لاہور 1970ء، دوہڑے 5,4

47۔ کلیات بلھے شاہ: دوہڑے 5,4

48۔ ایک روایت میں کہا گیا ہے کہ ایک بار بلھے شاہ نے حاجی ہانس کے نیاز حاصل کئے اور ایک محفل سماع ان کے اعزاز میں منعقد کی اس موقع پر کثیر تعداد میں صوفیاء اور فقراء جمع ہوئے۔ بلھے شاہ کی کئی کافیاں گائی گئیں۔ وجد وحال کی کیفیت میں فقراء نے اپنے سُر ملانے شروع کئے۔ دوسرے روز حاجی ہانس نے نقالوں مسخروں اور بھانڈوں کو دعوت دی تاکہ وہ گزشتہ رات کی سی فقراء کے وجد وحال کی نقل کریں جب بلھے شاہ کو اس بات کا پتہ ہوا وہ بہت غصہ ہوئے انھوں نے ایسے فعلِ نازیبا کے لئے اس شہر والوں کو بد دعا دی اور انجام کار ان کی بد دعا سے یہ مقام ایک ویرانے میں بدل گیا۔ کبیر نام کا یہ شہر پاک پٹن کے قریب آباد تھا۔

49۔ اگر بلھے شاہ نے اپنی شاعری میں اپنا تخلص بلھا استعمال کیا ہے اس کی ایک اور صوفیانہ تاویل کی جا سکتی ہے۔ بھلا سے مراد بھولا ہوا بھی ہے یعنی وہ اپنی ذات کو بھول چکا ہے۔ بلھے شاہ کا یہ تخلص اتنا مشہور ہوا کہ لوگ اس کا اصل نام سید عبداللہ شاہ کو بھول گئے۔ اپنی ایک کافی میں اسی بات کو دہراتا ہے کہ ''بلھا کیہ جاناں میں کون؟''

50۔ Panjabi Sufi Poet by Lajwanti Rama Krishna oxford university press, Humphrey Milford, 1938, P-47-48

51۔ مفتی غلام سرور لاہوری: خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص 208

52۔ اوسبورن (Bullah Shah:(C.F.usborne، ص 2

53۔ ڈاکٹر لاجونتی رام کرشنا: Panjabi Sufi Poets ص 40 (ڈاکٹر لاجونتی نے عیسوی سال 1758ء کی بجائے 1785ء لکھا ہے)

54۔ محمد شفیع ڈاکٹر، اولیائے قصور ص 199

55۔ جیت سنگھ سیتل: بلھے شاہ (جیون تے رچنا) ص 5

56۔ گدی دار کی بجائے گدی نشین ہونا چاہیے۔

57۔ فرید، نانک، بلھا، وارث از سید افضل حیدر، 2003ء

کتابیات

اردو .پنجابی

1۔ آکھیا بلھے شاہ نے۔محمد آصف خان۔لاہور 1992ء

2۔ اولیائے قصور۔ڈاکٹر محمد شفیع۔لاہور 1972ء

3۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔جلد 4، پنجاب یونیورسٹی لاہور

4۔ بلھے شاہ (شخصیت اور شاعری): انیس ناگی' جمالیات لاہور 2009ء

5۔ بلھے شاہ۔ڈاکٹر غفران سید: عزیز پبلشرز لاہور۔مارچ 1984ء

6۔ بلھے شاہ" ڈاکٹر فقیر محمد فقیر۔ کلاسیک لاہور' 1996

7۔ بحر بلھا۔صوفی محمد الدین۔چشتی سنز قصور ' 1995ء

8۔ بلھے شاہ کی سوچ۔ارشاد احمد پنجابی۔پنجابی ادبی لہر لاہور 1982ء

9۔ پنجاب کے رومان۔ ڈاکٹر عبدالسلام خورشید۔ قومی کتب خانہ لاہور 1950ء

10۔ پنجابی ادب دی کہانی۔ عبدالغفور قریشی' لاہور 1972ء

11۔ پنجاب ادب۔ محمد سرور۔کراچی 1953ء

12۔ پنجابی ادب کی مختصر تاریخ۔ڈاکٹر قریشی احمد حسین احمد قلعداری۔لاہور 1972ء

13۔ پنجابی شاعراں دا تذکرہ۔میاں مولا بخش کشتہ۔لاہور' 1960

14۔ پنجابی زبان دا ادب تے تاریخ۔عبدالغفور قریشی' لاہور 1956ء

15۔ پریم کہانی' باوا بدھ سنگھ' لاہور 1932ء

16۔ پنجاب کے صوفی دانشور۔ قاضی جاوید۔ لاہور' 1979ء

17۔ تقویم تاریخ۔ عبدالقدوس ہاشمی۔ کراچی 1965ء

18۔ تقویم ہجری و عیسوی۔ ابوالنصیر محمد خالدی' کراچی 1974ء

19۔ تذکرہ حضرت شاہ عنایت قادری شطاری۔ میاں اخلاق احمد۔ لاہور 1984ء

20۔ تذکرہ سید حضرت سید بلھے شاہ' مطیع الرحمٰن قریشی۔ اللہ والے کی قومی دکان لاہور (س ن)

21۔ تذکرہ بلھے شاہ۔ ضیاء الدین برنی۔ (اردو ترجمہ)۔ دہلی 1919ء

22۔ تذکرہ صوفیائے پنجاب۔ اعجاز الحق قدوسی۔ کراچی 1962ء

23۔ تصوف تے پنجابی دے صوفی شاعر۔ ڈاکٹر پروفیسر سرفراز حسین قاضی۔ لاہور 1973ء

24۔ حضرت بلھے شاہ (تصوف تے کلام)۔ ڈاکٹر یسین ظفر لاہور 1978ء

25۔ حضرت بلھے شاہ۔ محمد شریف گلزار۔ فیروز سنز لاہور' 1973ء

26۔ حقیقت تصوف۔ سید محمد ذوقی شاہ۔ لاہور 1978ء

27۔ خزینۃ الاصفیاء مفتی غلام سرور۔ لاہور

28۔ خلاصۃ التواریخ۔ لالہ سبحان رائے بٹالوی ترجمہ: ڈاکٹر ناظر حسین زیدی' لاہور 1966ء

تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان و ہند تیرھویں جلد۔ شائع کردہ: پنجاب یونیورسٹی لاہور

29۔ تاریخ پنجاب۔ کنہیا لال رائے بہادر۔ لاہور

30۔ تاریخ لاہور کنہیا لال رائے بہادر۔ لاہور

31۔ تاریخ پنجاب۔ اقبال صلاح الدین۔ لاہور 1974ء

32۔ تاریخ پنجاب۔ حمید اللہ شاہ ہاشمی۔ لاہور 2008ء

33۔ تاریخ پنجاب۔ سید عبداللطیف لاہور

34۔ سائیں بلھے شاہ۔ جے۔ آر۔ پوری' ٹی۔ آر۔ شنگاری۔ لاہور 2002ء

35۔ سفینۃ الاولیاء۔ داراشکوہ (اردو ترجمہ)

36۔ شاہ عنایت بلھے شاہ۔ منشی عبدالمجید اشرقی قادری۔ لاہور 1990ء
"فرید، نانک، بلھا" از سید افضل حیدر

37۔ کلام بلھے شاہ۔ پروفیسر ڈاکٹر سید نذیر احمد۔ اسلام آباد 2008ء

38۔ کلام بلھے شاہ۔ ڈاکٹر میاں ظفر مقبول۔ لاہور 2006ء

39۔ کلیات بلھے شاہ۔ ڈاکٹر فقیر محمد فقیر' لاہور 1965ء

40۔ قانون عشق۔ حلوائے پنجاب۔ حافظ انور علی رہتکی۔ لاہور 1309ھ

41۔ مکمل سوانح حیات حضرت بابا بلھے شاہؒ۔ علامہ منظور احمد نوری۔ قصور 2003ء

42۔ مہکدے پھل۔ ڈاکٹر فقیر محمد فقیر۔ لاہور 1965ء

گورمکھی :

1۔ بلھے شاہؒ (جیون تے رچنا)۔ جیت سنگھ سیتل۔ پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ 1970ء

2۔ بلھے شاہؒ۔ رچناولی۔ پٹیالہ' 1983ء

3۔ بلھے شاہؒ سریندر سنگھ کوہلی

4۔ سائیں بلھے شاہؒ۔ پیارا سنگھ پدم۔ پٹیالہ 1973ء

5۔ کافیاں سائیں بلھے شاہؒ ۔ سندر سنگھ نرولا۔ امرتسر 1930

6۔ پنجابی ساہت دا اتہاس۔ ڈاکٹر کرپال سنگھ کسیل۔ پٹیالہ 1971ء

اخبارات و رسائل:

1۔ رسالہ نقوش لاہور۔ لاہور نمبر 1962ء

2۔ چھماہی کھوج لاہور۔ (جولائی 2004ء تا جون 2005ء)۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور

3۔ مہینہ وار ترنجن لاہور دسمبر اکتوبر 2010ء) بلھے شاہ نمبر

4۔ کھوج پتر کا۔ مارچ 1984ء۔ سائیں بلھے شاہ انک (گورمکھی)

5۔ پنجابی دنیا۔ بلھے شاہ انک۔ بھاشا وبھاگ پٹیالہ (جنوری فروری 1962ء) گورمکھی

6۔ پنجابی دنیا صوفی ساہت انک) بھاشا وبھاگ پٹیالہ (نومبر دسمبر 1964ء) گورمکھی

English:

1- Dr. Lajwanti Rama Krishna : Panjabi Sufi Poets. Oxford university press Humphray Milford. 1938.

2- C.F. Usborne : Bullah Shah. Lahore 1905.

3- A. R. Luthar - Bullah Shah . Lahore 1982.

4- D.C.L. Narang: History of Punjabi Literature: Delhi. 1987.

5- Sant Sing Sekhon & Kartar Singh Duggal: A History of Punjabi Literature. Delhi 1992.

6- Syed Abdul Quddus- Punjabi- Karachi-1992.